عورت

رسول اکرم ﷺ کی نظر میں

ڈاکٹر محمد واسع ظفر

استاذ وسابق صدر، شعبۂ تعلیم، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

عورت

رسول اکرم ﷺ کی نظر میں

ڈاکٹر محمد واسع ظفر

Saima Publication

AURAT

RASOOL-E-AKRAM (S.A.W.) KI NAZAR MEIN

By

Dr. Md. Wasay Zafar

Former Head & Dean, Faculty of Education,

Patna University, Patna

Rs. 200/-

Saima Publication

Printed : Saima Publication, Dariyapur, Ahmad Market, Patna-4

عورت

رسول اکرم ﷺ کی نظر میں

ڈاکٹر محمد واسع ظفر
استاذ وسابق صدر، شعبۂ تعلیم، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

نام کتاب	:	عورت رسول اکرم ﷺ کی نظر میں
مصنف	:	ڈاکٹر محمد واسع ظفر
اشاعت اول	:	جولائی 2025ء/محرم الحرام ۱۴۴۷ھ
صفحات	:	126
تعداد اشاعت	:	پانچ سو (500)
ہدیہ	:	-/200 روپے
کمپوزنگ	:	محمد جمال الدین اطہر
مطبع	:	صائمہ پبلی کیشن، احمد مارکیٹ، لنگرٹولی، پٹنہ-4

کتاب ملنے کے پتے:

☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ☆ آفتاب بک ڈپو، سبزی باغ، پٹنہ
☆ صائمہ پبلی کیشن، لنگرٹولی، پٹنہ ☆ ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ
☆ یونیورسل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
☆ دفتر مدرسہ قاسمیہ، بنی آباد، مظفرپور (بہار)

AURAT RASOOL-E-AKRAM (S.A.W.) KI NAZAR MEIN

By

Dr. Md. Wasay Zafar
Former Head & Dean, Faculty of Education,
Patna University, Patna
Email:mwzafar.pu@gmail.com

انتساب

شریک حیات

محترمہ فرزانہ ممتاز صاحبہ عرف گلشن

کے نام

جن کی

کرم فرمائیوں کی وجہ سے، ہی احقر کے لیے

تحقیق وتصنیف کا کام ممکن ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

علامہ اقبالؔ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

فہرست عناوین

☆☆☆☆☆

تقریظ

از: مولانا نورالحق رحمانی صاحب

استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار (انڈیا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ !

ایک حدیث ہے "احۡرِصۡ عَلٰی مَا یَنۡفَعُکَ" (صحیح مسلمؒ، حدیث نمبر ۶۷۷۴) یعنی اپنے آپ کو ایسے کاموں کا حریص بنالو جو تمھارے لیے نفع بخش ہوں، یہ ایک مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ایسے امور میں مشغول رکھے جو خود اس کے لیے، اس کے اہل وعیال و متعلقین کے لیے اور ملک وملت کے لیے کارآمد اور نافع ہو۔ اپنے آپ کو جان دار اور نفع بخش بنانے کے لیے نہ صرف لغو ولایعنی باتوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ بہت سے جائز تفریحی مشاغل سے بھی کنارہ کش ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے اسلاف کرام نے امت اور انسانیت کے لیے جو علمی ورثہ (التراث العلمی) چھوڑا ہے، اس کے لیے انہوں نے اپنے اوقات کو منظّم کیا اور ہر طرف سے کنارہ کش ہوکر علمی کاموں میں اپنے آپ کو لگائے رکھا، تب جاکر انہوں نے قیمتی علمی سرمایہ اپنے بعد والوں کے لیے چھوڑا جس سے آج ہم مستفید ہورہے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی فائدہ اٹھاتی رہیں گی۔

مضمون نگاری، انشا پردازی اور تصنیف وتالیف کا کام بڑی محنت، عرق ریزی،

جانفشانی اور پتاماری کا کام ہے جس کے لیے ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں اور اپنے اوقات کا صحیح استعمال کر کے ہمارے لیے قابل قدر علمی اور قیمتی سرمایہ پیش کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی شہرہ آفاق اور مایۂ ناز تصنیف ''**حجة الله البالغة**'' کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جب ان کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد شیخ عاشق پھلتی نے ان سے علم اسرار شریعت کی تدوین کے لیے بہت اصرار کیا تو انہوں نے اس کے لیے استخارہ کیا اور اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوکر یہ دعا فرمائی: ''**تضرعت إلى أن يصرف قلبي من الملاهي، أن يريني حقائق الأشياء كماهي، ويسدد جناني**'' (جلد ا، صفحہ ۲۵) ''اللہ سے گریہ وزاری کی کہ وہ ان کے دل کو لہو ولعب سے پھیر دے، اور چیزوں کی حقیقتیں انھیں اصل روپ میں دکھائے اور انھیں ہر قسم کی غلطی سے محفوظ رکھے۔'' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوکر عربی کی تعلیم شروع کر دی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوکر مسند تدریس کو زینت بخشی تھی اور سترہ سال کی عمر میں علم تصوف وسلوک کی تکمیل کر کے لوگوں کی نفع رسانی کا کام شروع کر دیا تھا، ان کے اوقات میں لہو ولعب اور لایعنی چیزوں کے لیے کوئی گنجائش ہی کہاں تھی؟ تبھی جا کر انہوں نے علم اسرار شریعت پر ایسی کتاب پیش کی جس کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ یہ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، اور اسلامی کتب خانہ اپنی وسعت کے باوجود اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بہر حال اہم علمی کاموں کی انجام دہی کے لیے ترک لایعنی ضروری ہے۔ اس عاجز کو یاد آتا ہے کہ ایک مضمون لکھتے ہوئے طالب علمی ہی کے زمانے میں رات زیادہ گزر گئی، خیال آیا کہ مضمون کو مکمل کر لیا جائے، چنانچہ لکھتا رہا تا آنکہ فجر کی اذان ہوگئی اور مضمون مکمل ہوگیا تو اللہ کا شکر ادا کیا، ایسے موقع پر جو فرحت اور قلبی مسرت حاصل ہوتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔ اسی طرح تدریس کے زمانے میں اپنے ایک استاذ کے مقالہ کا عربی ترجمہ کر رہا تھا جسے کسی عرب ملک کے ایک سمینار میں پیش کیا جانا تھا،

وقت کم تھا، رات بھر لکھتا رہا یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ اس طرح کے واقعات ہم جیسے چھوٹے طالب علم کی زندگی میں بھی کبھی کبھی پیش آئے ہیں۔ بعض مشہور مصنف کے بارے میں تو سنا کہ ان کا مستقل معمول یہ تھا کہ رات بھر لکھنے کا کام کرتے اور فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے۔

اس وقت میرے سامنے ایک قیمتی رسالہ ہے: ''**عورت رسول اکرم ﷺ کی نظر میں**'' جس کے مصنف ہیں برادر محترم ڈاکٹر محمد واسع ظفر صاحب جو پٹنہ یونیورسٹی کے مؤقر استاذ ہیں اور پہلے شعبہ تعلیم کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ یہ ماشاء اللہ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں ہیں جو اپنے اوقات کا صحیح استعمال کرتے ہیں، نفع بخش کاموں کے حریص ہیں اور یونیورسٹی میں تدریسی خدمت کے ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم کام میں بھی لگے رہتے ہیں۔ ان کی اب تک تقریباً نصف درجن کتابیں اور رسالے منظر عام پر آچکے ہیں اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں اور وہ اہل علم کے درمیان متعارف ہیں، المعہد العالی اور امارت شرعیہ میں وقتاً فوقتاً ان کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے خصوصاً تقریبات میں۔ ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ نہ صرف صاحب قال ہیں بلکہ صاحب حال بھی ہیں، بزرگوں کے تربیت یافتہ ہیں، شکل وصورت اور وضع قطع کے لحاظ سے ایک عالم دین ہی لگتے ہیں اور تصنیف و تالیف کا ذوق مزید براں ہے۔ ایسے اہل علم کی اس عاجز کے دل میں بڑی قدر ومنزلت ہے جو عصری تعلیم گاہوں کے فاضل ہونے کے باوجود دینیات اور اسلامیات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً نئی نسل کے لیے اہم دینی موضوعات پر اپنی تحقیقات بھی پیش فرماتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی متعدد تصنیفات بھی اس عاجز کو ہدیہ فرمائی ہے جن سے یہ عاجز مستفید ہو چکا ہے۔ انہوں نے اس عاجز سے فرمائش کی کہ میں ان کے اس رسالے کے لیے پیش لفظ یا تقریظ لکھ دوں، چوں کہ یہ موضوع خود میری دل چسپی کا ہے اور اس موضوع پر اس عاجز کے متعدد رسالے بھی ہیں جو شائع ہو چکے ہیں، اس لیے اس عاجز نے رسالہ کو بالاستیعاب دیکھا اور

اس کے مشتملات سے مستفیض ومحظوظ ہوا۔ برادر موصوف نے بڑی جامعیت کے ساتھ اس رسالہ میں قرآن وحدیث اور دیگر محققین کی کتابوں سے قیمتی اور اطمینان بخش مواد جمع کر دیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔اس کے لیے وہ ہم سب کی طرف سے شکر اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کتاب کی اہمیت کا اندازہ کتاب کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے خصوصاً اس دور میں اس کی اہمیت پہلے سے زیادہ ہے کیوں کہ اہل مغرب نے مرد وزن کے درمیان کامل مساوات قائم کرنے کا نعرہ لگا کر اسلامی نظام معاشرت کو بری طرح تنقید وملامت کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں یورپ میں خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا،جس کا سب سے زیادہ نقصان خود عورت کو ہوا کہ اسے کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑا جو اس کا اصل دائرہ کار تھا،اور گھریلو خدمات کے صلہ میں اسلام نے اسے کسب معاش کی دوڑ بھاگ سے آزاد کر دیا تھا، یہ خدمت اس کی طبیعت اور فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ تھی اور اس میں اُس کی نسوانی کمزوریوں کی پوری رعایت بھی تھی۔اس کے حقیقی میدان عمل سے نکلنے کی بنیاد پر گھریلو نظام اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام بھی متاثر ہوا، پھر بھی وہ گھریلو خدمات سے پیچھا نہ چھڑا سکی، اور داخلی اور خارجی دونوں طرح کی ذمے داریوں کا بوجھ اس کے سر آ گیا،اس کی مشقتیں بڑھ گئیں اور اس کے علاوہ جو مزید نقصانات ملک اور سماج کو لاحق ہوئے، اسلامی مفکرین ومصنفین نے ان کی تفصیلات بیان کر دی ہیں۔ اس کتاب کا براہ راست یہ موضوع نہیں ہے بلکہ مقصد اسلامی نظام معاشرت میں عورت کے مقام ومرتبہ سے بحث کرنا ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس کی پوزیشن کو واضح کرنا ہے، ضمنی طور پر طلاق اور تعدد ازدواج وغیرہ کے مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ قیمتی رسالہ اہل مغرب کے پھیلائے گئے شکوک وشبہات کے ازالہ میں بھی معاون ثابت ہوگا۔

عورت کی پہلی حیثیت ماں کی ہے، بچہ جب آنکھیں کھولتا ہے تو ماں ہی کو اپنے پاس

پاتا ہے، وہی اس کی تمام خدمت انجام دیتی ہے، ڈاکٹر صاحب اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''ماں عورت کا سب سے حسین روپ ہے۔ماں کی محبت،شفقت، ہمدردی،غم خواری اور قربانی کو بے مثل اور لاثانی تصور کیا جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے لے کر اس کی پرورش وپرداخت تک ایک ماں کو جن مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے،اسے ایک ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔وہ حمل کا بوجھ اٹھاتی ہے، بچے کی ولادت کی تکلیف ومشقت جھیلتی ہے،اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کرتی ہے،اس کی نجاستوں کو اپنے ہاتھوں سے دھوتی ہے،اس کی راحت و آرام اور دیگر ضروریات کے لیے اپنی راتوں کی نیند قربان کرتی ہے اور اس کی ہر تکلیف پر اپنی جان نچھاور کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی ہے۔''اس کے بعد مؤلف نے ماں کی مشقتوں اور اس کے حقوق کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات سورۂ لقمان اور سورۂ احقاف سے پیش کی ہے اور پھر بہت سی احادیث بھی پیش کی ہیں، نانی اور دادی وغیرہ اصول عورتیں بھی اس میں شامل ہیں اور خالہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے مثل قرار دیا ہے اور دوسرا عنوان یہی ہے ''عورت بحیثیت خالہ''، تیسرا عنوان ہے ''عورت بحیثیت بیوی''۔اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں: ''مردوں کے لیے بیوی بھی قدرت کا ایک حسین تحفہ اور نعمت ہے،شرط یہ ہے کہ وہ نیک بخت ہو۔دنیا کی چیزوں میں سب سے بڑھ کر نفع بخش شے نیک بخت عورت ہے۔'' اس کے بعد بیوی کے سلسلے میں قرآن کریم اور احادیث میں جو احکام مذکور ہیں انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ضمنی طور پر طلاق اور تعدد ازدواج کے مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے اور تقریباً بیس صفحات میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد عنوان ہے: ''عورت بصورت بیوہ ومطلقہ''۔مصنف اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''بیوہ عورتوں کو سماج میں بدنصیب، منحوس اور حقیر تصور کیا جاتا رہا ہے حالاں کہ ان کی بیوگی میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا،قدرت کی طرف سے وہ خود ایک بڑی آزمائش کا شکار ہوتی ہیں۔لیکن سماج ان کے ساتھ ہمدردانہ اور معاونانہ سلوک کرنے کے بجائے ذلت

آمیز سلوک کرتا رہا ہے حتیٰ کہ بعض معاشروں میں ان سے جینے کا حق بھی سلب کر لیا جاتا تھا، اور انھیں شوہر کے آخری رسومات کے ساتھ ہی اپنی جان دینی پڑتی تھی ۔۔۔۔اسی قسم کی رسم نیپال، انڈونیشیا، ویتنام، فلپائن، کمبوڈیا، برما (میانمار)، فیجی، چین اور روس کے بعض خطوں میں بھی جاری تھی۔'' ہندوستان میں بھی اس کا رواج بڑے پیمانے پر تھا۔مسلم حکمرانوں نے اپنے عہد حکومت میں وقتاً فوقتاً اس رسم کو ختم کرنے کی کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے کیوں کہ یہاں کے ہندوؤں نے اسے اپنے مذہب سے جوڑ رکھا تھا اور مسلم حکمراں ان کے مذہبی امور میں مداخلت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے احتجاج سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے سختی برتنے سے پرہیز کیا۔شہنشاہ اکبر نے بالخصوص اس رسم کے خاتمے کے لیے انتہائی کوششیں کیں اور کئی حکم نامے جاری کیے لیکن اسے بھی سماجی اور مذہبی حلقوں کے دباؤ کے آگے جھکنا پڑا، بالآخر انگریزوں کے دور حکومت میں اس رسم کا خاتمہ ہوا جس کا ذکر مصنف نے اس باب میں کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بھی بیوہ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا، اسے سال بھر کے لیے تنگ وتاریک حجرے میں داخل کر دیا جاتا تھا، زیب وزینت کی تمام صورتیں اس کے لیے ممنوع تھیں۔سال بھر گزارنے کے بعد اسے اس گھر سے نکالا جاتا تھا اور وہ مینگنی پھینکتی تھی، عام طور پر سال بھر میں اس کا انتقال ہو جایا کرتا تھا۔کتب حدیث میں اس رسم بد کا ذکر ملتا ہے۔امام بخاریؒ نے زینب بنت ابوسلمہؓ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، دَخَلَتْ حِفْشًا، وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ، حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ، فَتَفْتَضُّ بِهِ، فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعَرَةً، فَتَرْمِي بِهَا، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ.'' (صحيح البخاريؒ، حدیث نمبر ۵۳۳۷) (ترجمہ): ''زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو وہ ایک نہایت تنگ وتاریک کوٹھری میں

داخل ہو جاتی، بدترین کپڑے پہن لیتی اور خوشبو کا استعمال بھی ترک کر دیتی حتی کہ اسی حالت میں ایک سال گزر جاتا۔پھر کوئی جانور گدھا یا بکری یا پرندہ اس کے پاس لایا جاتا تو وہ اس پر اپنا ہاتھ پھیرتی۔ایسا کم ہوتا تھا کہ وہ کسی جانور پر ہاتھ پھیر دے اور وہ مر نہ جائے۔اس کے بعد وہ باہر نکالی جاتی اور اسے مینگنی دی جاتی جسے وہ پھینکتی تھی، پھر اس کے بعد وہ خوشبو وغیرہ کوئی بھی چیز استعمال کر سکتی تھی۔'' اسلام نے ان تمام پابندیوں کو ختم کر کے اس کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کی، اور عدت کے بعد اسے دوسری شادی کرنے کا حق دیا۔

اس کے بعد عنوان ہے: ''عورت بحیثیت بیٹی اور بہن''۔عورت کی زندگی کا آغاز بیٹی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔اسلام نے بیٹی کے سلسلے میں اہم ہدایات دی ہیں اور ان کی اچھی تعلیم وتربیت کو والدین کے لیے مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ان سے نفرت کرنے یا لڑکوں کو ان پر ترجیح دینے کو حرام قرار دیا ہے، بلوغ کے بعد کفو میں ان کی مرضی معلوم کر کے ان کا نکاح کرنے کی تاکید کی ہے اور ایسے رشتے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دیا جس میں لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کیا گیا تھا۔دور جاہلیت میں تو انھیں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں تھا، انھیں بے دردی کے ساتھ زندہ درگور کیا جاتا تھا۔مصنف نے بھی احادیث کی روشنی میں ایسے متعدد واقعات کا ذکر کیا ہے، اور بیٹیوں کی طرح بہنوں کی تعلیم وتربیت پر بھی وہی بشارتیں نقل کی ہیں۔اسی عنوان کے تحت عورت کی وراثت سے متعلق بھی ڈاکٹر صاحب نے بحث کی ہے اور قرآن کریم کی تین آیات اور احادیث سے ان کے جو حقوق متعین ہوتے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی ہے، نیز ماں، بہن، بیوی، اور بیٹی وغیرہ کے جو حصے مقرر ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔

آخری عنوان ہے: ''عورت بحیثیت باندی/مملوکہ وخادمہ''۔اس عنوان کے تحت یہ رقم کیا گیا ہے کہ اسلام نے غلام اور باندی کے حقوق بھی متعین کیے ہیں اور انھیں سماج میں عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق دیا ہے، اور ان کی آزادی کے سلسلے میں اسلام کے جو

اصول وضوابط اور فضیلتیں ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً کفارات (کفارۂ ظہار، کفارۂ قتل اور کفارۂ یمین وغیرہ) میں ان کی آزادی کو لازم قرار دیا ہے، اور یوں بھی ان کی آزادی کی بڑی فضیلت بیان کی ہے اور ان کی آزادی کے سلسلے میں مالی تعاون کو افضل صدقہ قرار دیا ہے۔

اس تقریظ کو ہم صاحب کتاب ہی کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اختتامی کلمات کے تحت تحریر فرماتے ہیں: ’’یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عورتوں کی مختلف حیثیت اور ان کے حقوق کے بارے میں ۔۔۔۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ خیالات اور قرآنی تعلیمات کو جاننے کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ اسلام میں عورتوں کو عزت وقعت اور معاشرتی حقوق حاصل نہیں ہیں، تو اس کا یہ کہنا نا سمجھی اور ناانصافی پر محمول کیا جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو بحیثیت انسان وہ سارے حقوق و اختیار دیے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ مسلم سماج میں عورتوں پر ہونے والے مظالم اور استحصال کے انفرادی واقعات کو اسلام کے سر نہیں منڈھا جا سکتا کیوں کہ یہ واقعات دراصل شریعت سے لاعلمی یا بے دینی کے نتائج ہیں، ۔۔۔۔ ایسے واقعات کو کم کرنے کے لیے مسلم سماج میں دین سے وابستگی اور علم دین کے حصول کی تحریک چلانے کی ضرورت ہے جس سے معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔‘‘

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور مصنف کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین!

نور الحق رحمانی

استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء،
پھلواری شریف، پٹنہ، بہار (انڈیا)

۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ
مطابق ۱۵؍جون ۲۰۲۵ء

تقریظ

از: ڈاکٹر سرور عالم ندوی صاحب

صدر شعبہ عربی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار (انڈیا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

اللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّم عَلٰی حَبِیۡبِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ !

ابتداء ایام سے ہی صنف نازک اپنے گوناگوں صفات کے باوجود انسانی معاشرے کا سب سے زیادہ حساس موضوع بحث رہی ہے، جسے افراط وتفریط اور تردید وتسلیم کے مختلف مراحل سے گزر کر یا تو دیوی کا مقدس روپ دے کر خدائی کے درجہ میں پہونچا دیا گیا یا پھر ستی کے ظالمانہ رسم کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، کبھی ابتدائی عمر میں ہی زندہ درگور کر دیا گیا تو کبھی جانوروں اور چوپایوں سے کمتر درجہ میں رکھ کر ایک ناقابل التفات جنس اور شے گردانا گیا۔ ادیان وملل کی تاریخ میں صرف مذہب اسلام نے ہی اس کو احترام و اعتدال کی منزل میں رکھ کر وہ مقام عطا کیا جس کی مثال دیگر مذاہب میں ناپید ودشوار ہے۔

اسلام نے حسب مراتب ہر ایک کے حقوق کو متعین کر کے عورتوں کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا جس نے عزت وناموس کی پاسداری کے ساتھ انھیں خوشگوار اور باعزت زندگی کا اہل بنایا، اور تہذیب جدید کے جھوٹے دعویداروں کو یہ باور کرایا کہ یہ صنف ’’عورت‘‘ نہ تو روئے زمین پر بوجھ ہے اور نہ ہی کسی بھی حق اور ادھیکار سے محروم بلکہ طبقۂ انسانیت میں ایک قابل احترام اور مردوں کی حسب رشتہ وناطہ توجہ اور دلداری کی مستحق ہے۔

اس کے باوجود اسلام دشمن عناصر نے عورتوں کی آزادی اور مسلم معاشرے میں ان

کے مقام ومرتبہ کو لے کر اسلام کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کو ہوا دینے میں یہود ونصاریٰ کے سرمایہ کاروں کی پشت پناہی سے چلنے والا مغربی میڈیا پیش پیش رہا۔ بدقسمتی سے اب اسلام دشمن مشرقی میڈیا بھی اس پروپیگنڈے میں شامل ہوگیا ہے۔ ایسے ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ عورتوں کے حقوق اور معاشرے میں ان کے مقام ومرتبہ کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو تقریر وتحریر کے ذریعے منظر عام پر لایا جائے۔ اللہ جزائے خیر دے ہمارے محترم ڈاکٹر محمد واسع ظفر صاحب کو جنہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر نہایت بسط ووضاحت کے ساتھ مدلل انداز میں ایک بیش قیمت تحریر کو وجود بخشا ہے جس کا مطالعہ اس سلسلے کے بیشتر شکوک وشبہات اور اسلام مخالف خیالات ونظریات کی تردید وتنکیر کے ساتھ اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر نظام حیات ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردے گا اور اپنے متبعین اور پیروکاروں کو اطمینان بخش مواد بھی سہل اور آسان انداز میں فراہم کردے گا۔

اس کتاب میں ان تمام اعتراضات کا مدلل جواب بھی موجود ہے جسے عصر حاضر کے اپنے منہ میاں مٹھو روشن خیال اور آزاد فکر کے علم برداروں نے گھڑ کر مذہب اسلام کو بدنام اور داغدار کرنے کی ناپاک کوششیں کی ہیں۔ تہذیب جدید کے دو اہم اعتراضات؛ تعدد ازدواج اور تقسیم وراثت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جو درحقیقت ہمارے مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کرام اور طبقۂ علماء کی ذمے داری تھی مگر یہ کہ اللہ رب العزت جس سے کام لے۔ ایک دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک، داعیانہ مزاج اور کردار کے حامل، اور خالصتاً جدید عصری تعلیمی اداروں کے فیض یافتہ شخص نے اس جانب توجہ فرمائی اور انہوں نے قابل قدر کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔

ہم شکرگزار ہیں اپنے رفیق گرامی محترم ڈاکٹر صاحب کے جنھوں نے اس موضوع پر ایک پرمغز اور سودمند کتاب ترتیب دی، جنھیں ایسے موضوعات پر لکھنے کا سلیقہ بھی ہے، اس سے قبل بھی ان کی متعدد کتابیں ظہور پذیر ہوچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب **"عورت رسول اکرم ﷺ کی نظر میں"** اس موضوع پر موجود اسلامی لٹریچر کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اللہ رب العزت ان کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کے تمام مطالعہ کرنے والوں کو اسلامی دستور حیات کی رعایت کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز اس کتاب کو دونوں جہان میں کامرانی وکامیابی کا سرنامہ بنادے۔ آمین!

ڈاکٹر سرور عالم ندوی

صدر شعبہ عربی

پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار (انڈیا)

یکم ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ

مطابق ۲۹ر مئی ۲۰۲۵ء

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، اَمَّا بَعۡدُ !

عورت، انسانی معاشرے کی تعمیر وتہذیب کا ایک بنیادی ستون ہے۔ یہ ایک ایسا وجود ہے جس کے بغیر نظام عالم کے قیام و بقا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پیغام اللہ رب العزت نے ابتدا میں ہی حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی تخلیق کر کے دے دیا تھا جس کے سمجھنے میں نسل انسانی آج تک غلطاں و پیچاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے آغاز سے لے کر آج تک فکری، سماجی اور تہذیبی سطح پر عورت کی حیثیت، اس کے حقوق اور معاشرے میں اس کا مقام، موضوع بحث رہا ہے۔ مختلف تہذیبوں اور مذاہب نے عورت کے بارے میں اپنے اپنے تصورات اور قوانین پیش کیے لیکن اکثر اوقات یہ تصورات یا تو افراط کا شکار ہوئے یا تفریط کا۔ کہیں اسے دیوی بنا کر پوجا گیا، تو کہیں اسے غلامی اور بے بسی کی علامت بنا دیا گیا، اور کہیں اسے برائی کی جڑ قرار دیا گیا۔ قدیم یونانی فلسفے سے لے کر رومی قوانین، اور ہندو رسومات سے لے کر چینی نظریات تک، عورت کا مقام یا تو محدود تھا یا مکمل طور پر مرد کی اطاعت میں گم۔ قدیم یونانی فلسفہ جہاں اسے ناقص العقل، کمزور فطرت، ادنیٰ درجہ کی مخلوق، انسانیت کے لیے بوجھ اور فتنہ انگیز تصور کرتا تھا، وہیں رومی قانون میں اس کی حیثیت دوسرے درجے کے شہری کی تھی، گو اسے بنیادی تعلیم کے حصول، حق ملکیت، حق وراثت، حق معاہدہ و کاروبار جیسے کچھ محدود اختیارات حاصل تھے لیکن مجموعی

طور پر وہ مرد کے تابع اور اس کی خدمت پر ہی مامور تھی اور اسے حق رائے دہی، سیاسی عہدوں کے حصول، عوامی تقریروں اور سیاسی مباحثوں و سرگرمیوں میں شرکت جیسے بنیادی شہری حقوق سے محروم رکھا گیا۔ ہندو دھرم میں کم عمری کی شادی، جہیز کی لعنت، نیز ستی اور بیوگی کی دیگر رسومات نے اسے ظلم کی چکی میں پیسا تو چینی تمدن میں کنفیوشس کے نظریات کے تحت اسے مرد کی مطلق تابعداری میں رکھا گیا۔ یہودی معاشرے میں عورت کو ایک بری مخلوق، مرد کی مملوکہ اور سرتاپا گناہ کا منبع قرار دیا گیا، نیز اسے حق شہادت، حق ملکیت، حق وراثت اور بنیادی معاشرتی حقوق سے محروم رکھا گیا۔ عیسائیت کے ابتدائی ادوار میں بھی عورت کے بارے میں منفی نظریات عام رہے۔ قرون وسطیٰ کے یورپ میں جہاں کلیسائی تسلط قائم تھا، عورت کو عقل وفہم سے محروم، خباثتوں کا مجموعہ، راندۂ درگاہ، برائیوں کی جڑ اور فتنوں کا سرچشمہ بتایا گیا۔ اسے ایمان اور روحانیت کے حصول میں رکاوٹ اور اس سے علاحدگی اختیار کرنے کو ہی دین سمجھا گیا جس کے نتیجے میں مذہبی رسوم اور معاشرتی سرگرمیوں سے اسے بالکل علاحدہ رکھا گیا۔ عیسائی معاشرے میں عورتوں کی خرید وفروخت بھی عام بات تھی جسے حکومت انگلستان نے ۱۹۳۰ء میں قانون سازی کے ذریعہ ممنوع قرار دیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۵۷۱-۶۳۲ء) کی بعثت سے قبل عرب معاشرے میں بھی عورت کی حیثیت نہایت کم تر تھی، بیٹی کو زندہ درگور کرنا ایک عام رواج تھا، شادی بیاہ میں نہ تو اس کی مرضی کا پاس و لحاظ رکھنا کوئی ضروری خیال کیا جاتا تھا اور نہ ہی اسے طلاق کا اختیار حاصل تھا، اسے جائیداد اور حق وراثت سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔

ایسے تاریک دور میں جب کہ دنیا عورتوں کے بنیادی انسانی حقوق تک سے ناواقف تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپؐ نے اسلامی نظام حیات میں عورت کے جامع اور متوازن تصور کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے اسے نہ صرف ایک مکمل، خودمختار، ذمے دار، باحیا اور باوقار انسان کے طور پر پیش کیا بلکہ معاشرے میں اسے

ایک فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کے مواقع بھی فراہم کیے۔ آپ ؐ نے عورت کو وہ حقوق اور مقام عنایت کیا جس کا تصور بھی اس وقت کے معاشرے میں محال تھا۔ ماں کے قدموں تلے جنت کا تصور ہو یا بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید، بیٹی کو رحمت اور بخشش کا ذریعہ بتانا ہو یا بہن کو عزت دینا، آپ ؐ نے ہر رشتے میں عورت کو عظمت عطا کی۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اسے حق زیست، حق تعلیم و تربیت، حق وراثت، معاشی و معاشرتی خودمختاری، نکاح و طلاق کے اختیارات، قانونی شہادت، اور سیاسی مشاورت میں شمولیت جیسے اہم حقوق دیے۔ جنسی تفریق سے اوپر اٹھ کر عدل کو اسلامی نظام حیات اور اسلامی معاشرے کی بنیاد قرار دیا جس سے ان مظالم کا خاتمہ ہوا جو برسوں سے صنف نازک پر جاری تھے۔ میاں بیوی کے صحت مندانہ اخلاقی تعلق کو آپ ؐ نے تقویٰ اور ایمان کامل کی علامت قرار دیا۔ نیز عورتوں کو انفرادی آزادی اور خاندانی ذمے داریوں میں توازن برقرار رکھنے کی تعلیم دی تاکہ معاشرہ مستحکم رہے کیوں کہ اسلام میں ان کی حیثیت خاندان کی بنیاد اور معاشرے کے معمار کی ہے۔ اس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے وجود کا ایک ایسا اسلامی تصور پیش کیا جو انفرادی آزادی اور وقار کے ساتھ معاشرتی ذمے داریوں کے احساس سے بھی لبریز ہو۔ آپ ؐ نے عورت کو نہ تو مرد سے کم تر قرار دیا اور نہ ہی اسے مرد بنانے کی غیر ضروری کوشش کی بلکہ اسے ایک ایسا منفرد مقام دیا جو اس کی فطرت اور صلاحیتوں کے عین مطابق ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ذریعے عورتوں کو دیے گئے حقوق اور مقام کا منصفانہ جائزہ لینے اور ان کی تحسین کرنے کے بجائے مستشرقین، سیکولر ذہن رکھنے والے مغربی اور مغرب زدہ مفکرین نے اسلام کو ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا اور دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اسے عورت دشمن دین یا پسماندہ مذہب کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی حالاں کہ خود مغربی معاشرے میں عورتوں کو بہت سے حقوق انیسویں اور بیسویں صدی میں نسوانی تحریکوں (Feminist

Movements) کے وجود میں آنے کے بعد ملے۔ آج بھی مغرب میں گو عورت کو قانونی طور پر مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں، لیکن تنخواہوں میں فرق، جنسی ہراسانی، نسوانی اور فطری تقاضوں کی ان دیکھی، اور خاندانی نظام کی کمزوری جیسے مسائل آج بھی موجود ہیں۔ پھر بھی مغربی میڈیا جس کی پشت پناہی یہود و نصاریٰ کے سرمایہ کار کرتے ہیں، آج بھی اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہے جس میں بدقسمتی سے اب اسلام دشمن مشرقی میڈیا بھی شامل ہو گیا ہے۔ ان پروپیگنڈوں میں دیگر موضوعات کے ساتھ 'اسلام اور اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام' بھی ہے۔ ان کے مطابق اسلام نے عورت کو پردے میں قید کر کے اس کی آزادی و خودمختاری کو سلب کیا، اسے معاشرتی عمل سے دور رکھا، مرد کو بالاتر حیثیت دی، وراثت کی تقسیم میں ان کے ساتھ ناانصافی کو روا رکھا، طلاق اور تعدد ازواج جیسے غیر منصفانہ قوانین کے ذریعے عورت کو کمزور کیا وغیرہ۔ گویا عورتیں مسلم معاشرے میں گھٹن کی زندگی گزار رہی ہیں، انھیں اپنی شخصیت کو نکھارنے کی آزادی نہیں ہے، ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے، معاشرتی حقوق سے وہ محروم ہیں، اور ہر لمحہ ان کے سر پر طلاق کی تلوار تنی رہتی ہے۔ اس طرح مسلم عورت کی تصویر ایک مظلوم اور پس ماندہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

یہ پروپیگنڈے اکثر سیاق و سباق سے ہٹ کر آیات و احادیث کی غلط تعبیر، تاریخی واقعات کی منفی پیشکش، اور مسلم معاشرے کی کمزوریوں کو اسلام کے کھاتے میں ڈال کر کیے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اسلام کو بدنام کرنا، اسلامی ثقافت کو کم تر دکھانا، غیر مسلم حلقوں میں اسلام کے سلسلے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے انھیں اسلام کی طرف مائل ہونے سے روکنا، مسلم نوجوانوں کو اپنے دینی اقدار کے تعلق سے شکوک و شبہات میں ڈالنا اور مغربی سیکولر نظریات کی طرف مائل کرنا اور بعض خطوں میں سیاسی و معاشی فوائد حاصل کرنا بھی ہوتا ہے۔ ان پروپیگنڈوں کی وجہ سے غیر مسلموں کے درمیان اسلام کے تئیں منفی رویوں کو فروغ ملتا ہے،

اسلاموفوبیا میں اضافہ ہوتا ہے، بین المذاہب ہم آہنگی کو زک پہنچتی ہے، اور مسلم نوجوانوں بالخصوص جدید تعلیم یافتہ لڑکیوں پر ان کے گہرے نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے اندر احساس کمتری پیدا ہوتی ہے، وہ اپنے دینی شناخت کو لے کر الجھن کا شکار ہوتی ہیں، انھیں سماجی تنہائی اور ذہنی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض معاملوں میں وہ اپنے مذہب کے سلسلے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتی ہیں حتی کہ اسلامی تعلیمات پر سوال اٹھانے لگتی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ پروپیگنڈوں کا مقابلہ کرنے اور ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلم خواتین اور نوجوانوں کو تحریر وتقریر کے ذریعے قرآن وحدیث کی روشنی میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں آگہی دی جائے۔ اس موضوع پر سمینار، کانفرنس اور ورک شاپ کا بھی انعقاد ہو۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے ایکس، فیس بک، یوٹیوب وغیرہ پر مختصر پوسٹس اور ویڈیوز کے ذریعے عورتوں کے حقوق سے متعلق اسلامی تعلیمات کو واضح کیا جائے۔ مسلم نوجوانوں کو میڈیا لٹریسی کی تربیت دی جائے تاکہ وہ پروپیگنڈوں کو پہچان سکیں اور ان کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ تعلیم، کاروبار اور سماجی خدمات کے مختلف شعبوں میں بالخصوص ان مسلم خواتین کی کامیابیوں کو میڈیا میں اجاگر کیا جائے جو اسلامی اقدار کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں۔ ان سب کے ساتھ مسلم معاشرے میں عورتوں کے حقوق سے متعلق اصل اسلامی تعلیمات پر عمل کے ذریعے ایک متوازن اور راست عملی نمونہ پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ اول تو اس لیے کہ عملی دعوت معاشرے میں زیادہ کارآمد اور اثر پذیر ہوتی ہے، دوئم اس لیے کہ مسلم معاشرے میں عورتوں پر ہونے والے ظلم کا کوئی بھی واقعہ میڈیا کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ چلانے کا مواد فراہم کرتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کے لیے ایسی کسی بھی حرکت سے گریز لازم ہے جس سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہو۔

احقر نے میڈیا کے مذکورہ پروپیگنڈوں کے اثرات کو زائل کرنے اور نوجوان نسل کو عورتوں کے حقوق سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے آگہی فراہم کرنے کی

غرض سے سنہ ۲۰۰۶ء میں ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا ''عورت رسول اکرم ﷺ کی نظر میں'' جو دو قسطوں میں ماہنامہ جہان کتب، نئی دہلی کے فروری اور مارچ کے شمارے میں شائع ہوا۔ پھر اس موضوع کی معنویت کے پیش نظر احقر نے مقالے کو پہلی توسیع سنہ ۲۰۱۸ء میں دی جسے روزنامہ کشمیر عظمیٰ، جموں وکشمیر نے خصوصی مضمون کے طور پر چار قسطوں، روزنامہ منصف، حیدرآباد اور روزنامہ متاع آخرت، کانپور نے چھ قسطوں اور روزنامہ قومی تنظیم، پٹنہ نے ۹ر قسطوں میں شائع کیا۔ اب یہ اسی مقالے کی دوسری توسیع ہے جو کتابچہ کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں مختلف حیثیتوں میں عورت کے مقام وحقوق کے حوالہ سے اسلامی نقطہ نظر کو قرآن وحدیث اور سیرت نبویہ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ناقدین کے الزامات کا دلائل کے ساتھ رد کیا گیا ہے اور اپنوں کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز عورتوں کے حقوق کی تلفی کرنے والوں کے لیے اس میں تنبیہات بھی ہیں اور ان کی رعایت کرنے والوں کے لیے بشارتیں بھی۔ الحمد للہ اس کتابچہ میں جو کچھ بھی مواد پیش کیا گیا ہے، پورے دلائل اور حوالوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری کے دل و دماغ میں عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک واضح اور مثبت تصور ابھر سکے۔ امید ہے کہ نوجوانوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی اور اسلام کے عادلانہ معاشرتی نظام کو سمجھنے میں ان کے لیے معاون بنے گی۔

احقر کتاب کی نظر ثانی اور مفید مشوروں کے لیے مفتی محمد شاہد نعمانی قاسمی صاحب، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن، سمن پورہ، راجہ بازار، پٹنہ اور مولانا نظام الدین اسامہ ندوی صاحب، ناظم مدرسہ قاسمیہ، بنی آباد، مظفر پور، بہار کا ممنون ومشکور ہے۔ خاکسار حضرت مولانا نورالحق صاحب رحمانی، استاذ، **المعهد العالی للتدریب فی القضاء والإفتاء**، پھلواری شریف، پٹنہ اور ڈاکٹر سرور عالم صاحب ندوی، استاذ وصدر شعبہ عربی، پٹنہ یونیورسٹی،

پٹنہ کا بھی ان کی تقاریظ کے لیے بے حد شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ اس تحریر کو صفت قبولیت سے نوازے اور احقر کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنادے۔ نیز احقر کے والدین، اساتذہ کرام اور شریک حیات کو بھی اس کا بہترین بدلہ دے کہ بندہ اپنی ہر علمی کاوش میں بلا واسطہ یا بالواسطہ ان سب کا مقروض ہے۔ رب کریم سے یہ بھی استدعا ہے کہ وہ میرے بچوں کو علوم شریعہ کی تحصیل کا شوق عنایت کرے اور انھیں دین کا داعی بنائے۔ آمین! یارب العالمین!

محمد واسع ظفر

استاذ وسابق صدر، شعبہ تعلیم، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

رہائش: ۱۰۴۔ مدینہ ٹاور، مدرسہ روڈ، سمن پورہ، پٹنہ، بہار (انڈیا)

۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ

مطابق ۲۵/ جون ۲۰۲۵ء

تمہیدی کلمات

اسلام کی صورت کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کی شبیہ کو بگاڑنے کے لیے یہود و نصاریٰ کے سرمایہ کاروں کے ذریعے کنٹرول شدہ مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک عرصے سے ایک مہم چلائی ہوئی ہے جس میں بد قسمتی سے اب ہندوستانی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے منسلک ایک بڑا طبقہ بھی بدلے ہوئے سیاسی منظرنامے کی مزاج شناسی کے نتیجے میں اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے اپنے سیاسی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے شامل ہو چکا ہے۔ ان ذرائع ابلاغ نے اس سلسلے میں جن موضوعات کا انتخاب کیا ہوا ہے، ان میں سے ایک 'اسلام اور اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام' بھی ہے۔ چنانچہ مسلم معاشرے کے تعلق سے عورتوں کی جو تصویر پیش کی جارہی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی مسلم معاشرے میں کوئی عزت و وقعت نہیں، نہ ہی انھیں کوئی معاشرتی حقوق حاصل ہیں اور نہ آزادی و خود مختاری۔ عورتیں مسلم معاشرے میں قید و بند کی زندگی گزار رہی ہیں اور انھیں ان کی شخصیت کی نشو و نما کے مواقع فراہم نہیں کیے جاتے۔ ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ہر لمحہ ان پر طلاق کی تلوار تنی رہتی ہے اور ان کو سماجی تحفظات کی فراہمی کا مسلم معاشرے میں کوئی اندرونی و دستوری میکانزم (Mechanism) نہیں ہے۔ افسوس کہ یہ الزام اس معاشرے پر ہے جو ایسی شریعت کا حامل ہے جس کے شارع، رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ، وَالطِّيبُ، وَ جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ"۔ (۱) یعنی "دنیا کی سب چیزوں میں سے عورتیں اور خوشبو میرے لیے محبوب بنادی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔"

(۱) سُنَنُ النَّسَائِيّ، كِتَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ، بابُ حُبِّ النِّسَاءِ، حدیث نمبر ۳۹۳۹، بروایت حضرت انسؓ

جہاں تک راقم کی سمجھ ہے، ان پروپیگنڈوں کا اصل مقصد دوسری ملتوں کے افراد خصوصاً نوجوان لڑکے لڑکیوں اور عورتوں کو اسلام کی طرف مائل ہونے سے روکنا ہے جو اپنے اندرونی حالات کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ اسلام کی طرف مائل ہورہے ہیں لیکن مسلم معاشرے کے جدید تعلیم یافتہ افراد خصوصاً عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کے ذہنوں کو بگاڑنے میں بھی اس پروپیگنڈے نے اہم رول ادا کیا ہے۔ دوسری طرف مسلم معاشرے کے وہ اسلام سے نابلد اور غیر مہذب افراد ہیں جو اپنی مردانگی کے زعم میں بعض اوقات عورتوں پر ایسے مظالم ڈھاتے ہیں جس سے ایک غیرت مند مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور یہی وہ افراد ہیں جو ذرائع ابلاغ کو وہ مواد فراہم کر دیتے ہیں جسے وہ اسلام اور اسلامی معاشرے کی شبیہ کو بگاڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر خصوصاً ان ہی دو طبقات کی نذر ہے جس میں راقم نے عورت کی مختلف حیثیتوں کے تعلق سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور قرآنی ہدایات کو ایک خاص اسلوب میں ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس میں اسلام اور اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام کے سلسلے میں میڈیا کے ذریعے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہے اور مختلف حیثیتوں سے عورتوں کے حقوق کی وضاحت بھی، اسلام کے ناقدوں کے الزامات کی تردید بھی ہے اور صنف نازک کے ناقدروں کی تنبیہ بھی۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ حقیر سی کوشش تبدیلی فکر و عمل میں کچھ معاون ثابت ہوگی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ التجا ہے کہ اس تحریر کو راقم کی مغفرت کا ذریعہ بنا دے اور بہ روز جزا اس کا نام اسلام اور پیغمبر اسلام کا دفاع کرنے والوں کی فہرست میں شامل کر دے۔ آمین۔ آیئے گفتگو کا آغاز 'ماں' سے کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

عورت بحیثیت ماں

ماں عورت کا سب سے حسین روپ ہے۔ ماں کی محبت، شفقت، ہمدردی، غم خواری اور قربانی کو بے مثل اور لاثانی تصور کیا جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے لے کر اس کی پرورش و پرداخت تک ایک ماں کو جن مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اسے ایک ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔ وہ حمل کا بوجھ اٹھاتی ہے، بچے کی ولادت کی تکلیف و مشقت جھیلتی ہے، اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کرتی ہے، اس کی نجاستوں کو اپنے ہاتھوں سے دھوتی ہے، اس کی راحت و آرام اور دیگر ضروریات کے لیے اپنی راتوں کی نیند قربان کرتی ہے اور اس کی ہر تکلیف پر اپنی جان نچھاور کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی ہے۔ یہ ایسی مشقتیں ہیں جن میں باپ کی کوئی شرکت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے ایک ماں کی ان مشقتوں کو یوں تسلیم وا جاگر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾۔(۲) (ترجمہ): ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے، (کیوں کہ) اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اسے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا، کہ تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا، میرے پاس ہی (تمھیں) لوٹ کر آنا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط﴾۔(۳) (ترجمہ): ''اور ہم نے انسان کو

---

(۲) القرآن الكريم، سورة لقمان:۱۴ (۳) القرآن الكريم، سورة الأحقاف:۱۵

اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اس کو جنا، اور اس کو اٹھائے رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔''

مذکورہ تکالیف کے علاوہ بچے کی تعلیم وتربیت میں بھی ماں اہم رول ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفکرین تعلیم ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ قرار دیتے ہیں اور کیوں نہ قرار دیں جب کہ بچے کی زبان وبیان کی تعلیم، سماجی اقدار کی تعلیم، تہذیب وتمدن کی تعلیم، مذہب کی تعلیم، احساسات وجذبات کی تربیت اور کردار سازی میں ماں کا جو رول ہوتا ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی باپ بچے پر خواہ کتنا ہی شفیق اور مہربان کیوں نہ ہو، ماں کا بدل کبھی نہیں ہوسکتا!

اس لیے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک انسان پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہو اور یہی فیصلہ ہے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!''مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوکَ'' (۴) یعنی ''سب سے زیادہ کس کا حق ہے (مجھ پر) کہ میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں کا۔ انہوں نے پوچھا پھر کس کا؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں کا، انہوں نے (تیسری بار) پوچھا پھر کس کا؟ آپؐ نے (پھر) فرمایا تیری ماں کا۔ انہوں نے پوچھا پھر کس کا؟ آپؐ نے فرمایا: پھر تیرے باپ کا۔''

شارحین حدیث اس حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ کسی شخص پر والدین کے حسن سلوک اور بھلائی کرنے کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں ماں کا حصہ

(۴) صَحِيحُ البُخَارِيؒ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، حدیث نمبر ۵۹۷۱

باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے اور اگر ایسی صورت حال پیش آجائے جس میں بہ یک وقت دونوں کے حقوق کی ادائی دشوار ہوجائے، تو ماں کے حق کو فوقیت دی جائے گی۔ ظاہر ہے اس فوقیت کی وجہ مذکورہ بالا وہ تکالیف ہیں جو ایک ماں اپنے بچے کے لیے برداشت کرتی ہے اور یہ تکالیف ایسی ہیں کہ ایک آدمی اپنی ماں کی جتنی بھی خدمت کرلے، ان میں سے کسی ایک تکلیف کا بھی حق ادا نہیں کرسکتا۔ حضرت بریدہؓ اپنے والد سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی طواف کے دوران اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے طواف کررہا تھا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ کیا میں نے (اپنے اس عمل سے) اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ آپؐ نے فرمایا: ''لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ''۔ (۵) یعنی ''نہیں، بلکہ اس کی ایک تکلیف کے بدلے بھی نہیں۔''

امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ نے اس حدیث کو دوسرے طرق سے روایت کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ان صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر اتنی شدید گرمی میں دو فرسخ تک اٹھایا کہ اگر اس میں گوشت کا ایک ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو وہ بھی بھون دیا جاتا، تو کیا میں نے اس کا شکریہ ادا کردیا؟ آپؐ نے فرمایا: ''لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ بِطَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ''۔ (۶) یعنی ''شاید یہ ایک مرتبہ کے دردزہ (Labour Pain) کے عوض میں ہوجائے۔''

ایک اور روایت میں آپؐ کا یہی پیغام ہے کہ کوئی شخص خواہ کچھ بھی کرلے اپنے ماں باپ کا حق کبھی ادا کر ہی نہیں سکتا۔ روایت اس طرح ہے: ''أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ

(۵) البَحْرُ الزَّخَّارُ المعروف بِمُسنَدِ البزّار، مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنوّرة، ۲۰۰۳ء، الجزء العاشر، صفحہ ۲۷۶، حدیث نمبر ۴۳۸۰

(۶) الروض الداني الىٰ المعجم الصغير للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ، المكتبُ الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۹۸۵م، الجزء الأول، صفحہ ۱۶۳، حدیث نمبر ۲۵۵

ﷺ إِنَّ أَبَوَيَّ بَلَغَا مِنَ الْكِبَرِ أَنِّي أَلِيْ مِنْهُمَا مَا وَلِيَا مِنِّيْ فِي الصِّغَرِ فَهَلْ قَضَيْتُهُمَا حَقَّهُمَا؟ قَالَ: لَا فَإِنَّهُمَا كَانَا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ وَهُمَا يُحِبَّانِ بَقَاءَكَ وَأَنْتَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ وَأَنْتَ تُرِيْدُ مَوْتَهُمَا"۔(۷) (ترجمہ): "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والدین بڑھاپے کو پہنچ گئے ہیں، تو کیا میرے لیے ان کے حقوق کی ادائیگی کا کوئی طریقہ ہے تاکہ میں اپنے بچپن کی تربیت کا حق ادا کرسکوں؟ آپؐ نے فرمایا: تم ان کا کوئی حق نہیں ادا کرسکتے اس لیے کہ انہوں نے ایسا (یعنی تیری تربیت) تیری زندگی کی بقا کی آرزو میں کیا تھا اور تو ان کی خدمت ان کی موت کی آرزو میں کرے گا۔"

ماں کے حق کو اسلامی شریعت میں اس درجہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر ماں مشرکہ بھی ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت دی گئی ہے، حالاں کہ شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح (حدیبیہ) کر رکھی تھی، اسی مدت میں میری والدہ (قتیلہ) اپنے والد (حارث بن مدرک) کو ساتھ لے کر (مکہ سے مدینہ) میرے پاس آئیں جب کہ وہ اس وقت مشرکہ تھیں۔ چنانچہ میں نے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور وہ مجھ سے (کچھ مال واسباب لینے کی) رغبت رکھتی ہیں، (تو) کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ان کے ساتھ صلہ رحمی (یعنی نیکی اور احسان کا معاملہ) کرو۔(۸)

(۷) روح البيان في تفسير القرآن للإمام الشّيخ إسماعيل حقّي، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة الرابعة ۲۰۱۸م، الجزء الخامس، الصفحه ۱۴۸

(۸) صحيح البخاريؒ، كِتَابُ الْجِزْيَةِ وَالْمُوَادَعَةِ، باب ۱۸، حديث نمبر ۳۱۸۳

یہی نہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت کے لیے جہاد جیسے اہم فریضے سے بھی ایک صحابی کو رخصت دی ہے۔ حضرت معاویہ بن جاہمہ سلمیؓ سے روایت ہے کہ (میرے والد محترم) حضرت جاہمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جہاد میں شرکت کا ارادہ کرلیا ہے اور آپ کی خدمت میں مشورہ لینے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: "فَالْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا"۔(۹) یعنی "پھر تم ان ہی کی خدمت میں لگے رہو، کیوں کہ جنت ان کے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔" غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت کے لیے نہ صرف جہاد سے رخصت دی بلکہ اس پر جنت کی بشارت بھی دی۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے ماں کی خدمت کو ہی گویا ان کے لیے جہاد قرار دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بالکل پسند نہیں فرمایا کہ کوئی ماں کی نافرمانی کر کے اس کا دل دُکھائے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ، عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"۔(۱۰) یعنی "بلاشبہ اللہ عزوجل نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنے، لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے، اور بخیلی وگدائی اختیار کرنے (یعنی قدرت کے باوجود دوسروں کا حق دبانے اور بغیر حق سوال کرنے) کو حرام کردیا ہے اور تین باتوں؛ قیل وقال (بیہودہ بکواس کرنے)، کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو تمھارے لیے ناپسند کیا ہے۔"

(۹) سُنَنُ النَّسَائيؒ، كتاب الجهاد، باب الرُّخْصَةُ فِي التَّخَلُّفِ لِمَنْ لَهُ وَالِدَةٌ، حديث نمبر ۳۱۰۴

(۱۰) صحيح مسلمؒ، كتابُ الْأَقْضِيَةِ، بابُ النَّهْيِ عَنْ كَثْرَةِ الْمَسَائِلِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ...، حديث نمبر ۴۴۸۳

یہاں تک راقم نے صرف اُن چند احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات صرف ماں کے حقوق کے حوالے سے موجود ہیں، ان کے علاوہ متعدد وہ احادیث ہیں جن میں والدین یعنی ماں اور باپ دونوں کی نافرمانی سے روکا گیا ہے یا ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ روایت کرتے ہیں ہے کہ ان سے ان کے والد نے یہ بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرُ؟'' یعنی ''کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟''۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپؐ نے فرمایا: ''الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ''۔ (۱۱) یعنی ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

اب ذرا غور تو کیجیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی نافرمانی کے گناہ کو شرک جیسے قبیح فعل جس کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ''۔ (۱۲) یعنی ''بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے''، کے گناہ کے ساتھ ذکر فرمایا گویا اس کے مدمقابل ٹھہرایا ہے، تو اس گناہ کی شناعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ خود اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں جس کے پیش کردہ فلسفہ حیات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی تبلیغ کی ہے، اپنی عبادت کی تلقین کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ہ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ

(۱۱) صحیح البخاريؒ، کتابُ الإستِئذَانِ، بابُ مَنِ اتَّكَأَ بَيْنَ يَدَىْ أَصْحَابِهِ، حدیث نمبر ۶۲۷۳

(۱۲) القرآن الکریم، سورۃ لقمان: ۱۳

ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا﴾ ۔ (۱۳) (ترجمہ): ''اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا (یا جھڑکنا) بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا۔ اور ان کے لیے عاجزی اور مہربانی کے ساتھ اپنے بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

یعنی والدین کی نافرمانی کرنا تو دور کی بات ہے، کسی بات پر ناپسندیدگی کے اظہار کرنے کے لیے جو سب سے کم تر شدت (Intensity) کا لفظ ہو سکتا ہے یعنی ''اُف''، اللہ رب العزت نے والدین کے حق میں اس کے استعمال سے بھی روک دیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے بندوں کو اس بات کی ہدایت بھی دی ہے کہ اپنے والدین کے بڑھاپے میں جب کہ عقل و حواس اور علم وحکمت سب انسان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے، بچوں جیسی ضد باندھنے لگتا ہے، غصہ اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بشری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بھی کسی کا محتاج ہو جاتا ہے، نہ صرف ان کا ساتھ دیں بلکہ ان کے ساتھ احسان وسلوک اور عاجزی ومہربانی کا معاملہ کریں۔ دل وجان سے ان کی خدمت کریں، ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کریں، انھیں کسی بات پر نہ جھڑکیں اور ان کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آئیں۔ نیز اس خدمت کے دوران اپنے بچپنے کی محتاجی کو بھی یاد کریں کہ جب وہ اپنی ضرورتوں اور تکلیفوں کو بتانے سے بھی عاجز تھے، تو کیسے ان کے والدین نے ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا اور زمانے کی تند وتیز ہواؤں سے بچا کر کتنی مشقتوں کے ساتھ ان کی پرورش کی تھی۔ کتنی بار اس نے ماں باپ کے جسموں کو اپنی غلاظتوں سے آلودہ کیا ہوگا اور کتنی راتیں ان لوگوں نے اس کی راحت وآرام کی خاطر جاگ کر کاٹی ہوں گی۔

(۱۳) القرآن الکریم، سورۃ الإسراء: ۲۳–۲۴

جب انسان ان باتوں کو یاد کرے گا، تو نہ صرف بوڑھے والدین کی خدمت اسے آسان معلوم ہوگی بلکہ دل سے ان کے لیے دعا بھی نکلے گی کہ اے میرے رب! میرے والدین کے بڑھاپے میں ان پر ویسے ہی رحم فرما جیسے انہوں نے میرے بچپنے میں مجھ پر رحم وشفقت کا معاملہ فرما کر میری پرورش کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حصہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے تو یہ سمجھے کہ اللہ رب العزت نے اسے ایک موقع عنایت کیا ہے کہ وہ ان کی خدمت کر کے آخرت میں اپنی مغفرت اور جنت کے حصول کو یقینی بنالے۔ اگر کسی نے اس موقعے کو گنوا دیا تو اس کے جیسا محروم کوئی نہیں۔ آپؐ کا جبرائیل علیہ السلام کی اُن بددعاؤں پر آمین کہنا حدیث کی کتابوں میں وارد ہوا ہے جن میں انہوں نے یہ بھی عرض کیا تھا: "وَ مَنْ أَدْرَکَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَبَرَّهُمَا، فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ"۔ (۱۴) یعنی "جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے اور مرنے کے بعد جہنم میں جائے تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) دور کرے۔" ایک تو جبرائیل علیہ السلام کی بددعا ہی کیا کم تھی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمین کہنے نے اسے جس قدر سخت بنا دیا اسے قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اِس روایت میں تو جسے راقم نے نقل کیا ہے، آگے یہ الفاظ ہیں: "قُلْ: آمِينَ، فَقُلْتُ: آمِين" یعنی جبرائیلؑ نے انھیں آمین کہنے کے لیے کہا جب آپؐ نے آمین کہا جس سے اور بھی تاکید معلوم ہوتی ہے اور والدین کی بڑھاپے میں خدمت نہ کرنے والوں کی ہلاکت میں کوئی شبہہ نہیں رہ جاتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ایک بار آپؐ نے خود ہی یہ فرمایا: "رَغِمَ أَنْفُهُ،

(۱۴) الإِحْسَانُ فِي تَقْرِيبِ صَحِيحِ ابنِ حِبَّانَؒ، كِتَابُ الرَّقَائِقِ، ذِكْرُ رَجَاءِ دُخُولِ الْجِنَانِ الْمُصَلِّي عَلَى الْمُصْطَفٰى ﷺ عِنْدَ ذِكْرِهِ مَعَ خَوْفِ دُخُولِ النِّيرَانِ عِنْدَ إِغْضَائِهِ عَنْهُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ، حدیث نمبر ۹۰۷، بروایت حضرت ابو ہریرہؓ

ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ" یعنی "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس شخص کی ناک خاک آلود ہو۔" عرض کیا گیا: کس شخص کی یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے فرمایا: "مَنْ أَدْرَکَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرُ، أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا، ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ"۔ (۱۵) "جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو ضعیفی کی حالت میں پایا، پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوا۔" ناک خاک آلود ہونے کا مطلب ہے ذلیل و خوار ہونا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لیے تین بار ذلیل وخوار ہونے کی بددعا کی ہے جس نے اپنے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت گزاری کر کے مستحق جنت نہ ہوا۔ اس حدیث مبارک سے یہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ایک اہم سبب ہے۔ تو جس شخص کو یہ موقع نصیب ہوا اور اس نے ان کی خدمت کر کے ان کی رضا اور جنت حاصل نہ کی تو ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ کلمات کا مستحق گردانا جائے گا۔

جس مذہب کی یہ تعلیمات ہوں اس کے ماننے والوں کو نہ ہی کسی Mother's Day یا Mom Day کی ضرورت ہے نہ Father's Day کی، اور نہ ہی کسی دیگر فلسفہ حیات یا نام نہاد حقوق نسواں کے علمبر داروں سے متعلقہ اقدار کو مستعار لینے کی ضرورت ہے۔ مغربی تہذیب نے تو ہمیں اپنے بوڑھے والدین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی راہ سجھائی ہے کہ انھیں رہائش گاہ بزرگان (Old-age Homes) میں دوسروں کے رحم و کرم پر ڈال دو اور کبھی ہفتہ یا مہینہ میں ایک بار یا پھر سال میں ایک بار یوم مادر (Mother's Day) یا یوم پدر (Father's Day) کے موقعے پر پھولوں کا

(۱۵) صحیح مسلمؒ، کتابُ البِرّ وَالصِّلَةِ وَالْأَدَبِ، بابُ رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَکَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ، فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ، حدیث نمبر ۶۵۱۱، بروایت حضرت ابو ہریرہؓ

ایک گلدستہ لے کر اپنی مصنوعی اظہار ہمدردی کے لیے پہنچ جایا کرو۔بس گویا تم نے ان کا حق ادا کر دیا! افسوس کہ ہم ہندوستانیوں نے بھی اپنی تہذیب وثقافت کو بھلا کر مغربی تہذیب کی اس روش کو اپنا لیا ہے اور اب یہاں بھی ضعیفوں کے لیے ایسی پناہ گاہیں وجود میں آ چکی ہیں۔ انڈین جرنل آف کمیونٹی میڈیسن کے جنوری۔فروری ۲۰۲۴ء کے شمارے میں ڈاکٹر سوجیتھا پانڈین اور ان کے ساتھیوں کی شائع شدہ ایک ریسرچ رپورٹ کے مطابق اس وقت ہندوستان میں ایسی ۷۲۸ پناہ گاہیں ہیں جن میں سے ۵۴۷ کی تفصیلات دستیاب ہیں۔ان میں ۳۲۵ پناہ گاہیں ایسی ہیں جن میں قیام وطعام اور دیگر خدمات مفت فراہم کی جاتی ہیں، دیگر مراکز میں ان خدمات کے لیے معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ مراکز میں مفت اور بامعاوضہ دونوں طرح کی سہولیات دستیاب ہیں۔(۱۶)

۱۴/دسمبر ۲۰۲۱ء کو حکومت ہند کی منسٹری آف سوشل جسٹس اینڈ امپاورمنٹ کے وزیر ڈاکٹر ویریندر کمار کے ذریعے ایوان زیریں میں دیے گئے ایک بیان کے مطابق غیر حکومتی اداروں کے ذریعے چل رہی ۵۵۱ پناہ گاہوں کو حکومتی امداد حاصل ہیں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ نجی طور پر چلائے جانے والی پناہ گاہوں کے مکمل اعداد وشمار حکومت اپنے پاس محفوظ نہیں رکھتی۔ (۱۷) اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ جو اعداد وشمار تحقیقات کے ذریعے سامنے آئے ہیں، ان میں اضافے کا امکان موجود ہے۔فقط کیرل میں ڈاکٹر سوجیتھا

---

(۱۶) ڈاکٹر سوجیتھا پانڈین وہم نوا، جنوبی چنئی تمل ناڈو کے شہری علاقے میں بزرگوں کے ذریعے اولڈ ایج ہومس کے استعمال کو متاثر کرنے والے سماجی عوامل، انڈین جرنل آف کمیونٹی میڈیسن، جلد ۴۹، شمارہ ۱، جنوری-فروری ۲۰۲۴، صفحہ ۴۳

(۱۷) پریس انفارمیشن بیورو گورنمنٹ آف انڈیا، منسٹری آف سوشل جسٹس اینڈ امپاورمنٹ (۱۴ دسمبر ۲۰۲۱ء)، https://pib.gov.in/Pressreleaseshare.aspx?PRID=1781361، اولڈ ایج ہومز، ۱۰/جنوری ۲۰۲۵ء کو رسائی حاصل کی گئی۔

پانڈین کی مذکورہ رپورٹ کے مطابق ۱۲۴/اور ارکشا بنسل کی ایک دوسری رپورٹ جو ۱۴/جولائی ۲۰۲۱ء کو ایک ویب سائٹ https://eduindex.org پر شائع ہوئی، کے مطابق ۲۷۸ پناہ گاہیں ہیں جو کسی صوبہ میں ان کی سب سے بڑی تعداد ہے۔کیرل جو تعلیم کے میدان میں ملک میں سرفہرست ہے، اسے تعلیم نے یہی تحفہ دیا ہے!

یہی نہیں، ڈاکٹر سوجیتھا پانڈین کی مذکورہ رپورٹ میں کچھ اور بھی انکشافات کیے گئے ہیں جو ایک حساس انسان کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔رپورٹ کے مطابق ضعیفوں کی ان پناہ گاہوں میں رہنے والے ۷۰ فی صد مکین ایسے ہیں جن سے ان کے رشتے دار یا دوست احباب کبھی ملنے بھی نہیں آتے، ۳ء۹٪ یعنی لگ بھگ ۴/فی صد ایسے ہیں جن کے رشتے دار یا دوست احباب کبھی کبھار ملنے آجاتے ہیں، ۳ء۱۳ فی صد ایسے ہیں جن کے متعلقین تین مہینوں میں ایک بار ان سے ملنے آتے ہیں، ۳ء۵ فی صد ہی ایسے خوش نصیب کہے جاسکتے ہیں جن کے متعلقین مہینے میں ایک بار ان سے ملنے آجاتے ہیں۔ باقی ۵ء۴ فی صد سے ان کے رشتے دار چھ مہینے میں ایک بار اور ۷ء۲ فی صد سے سال میں ایک بار ملنے آتے ہیں۔ نیز جن لوگوں کی خبر گیری فون، خطوط یا ذاتی ملاقات کے ذریعے کی جاتی ہے، ان کے تجزیہ سے پتا چلا کہ ۳ء۲۷ فی صد مکینوں کی خبر گیری کرنے والے ان کے بچے ہیں، ۲ء۲۲ فی صد کے رشتے داران، اور ۹ء۱۶ فی صد کے دوست واحباب ہیں۔ جہاں تک مالی تعاون کا معاملہ ہے، پناہ گزیں بزرگوں کی کل آبادی کے صرف ۶ء۲۰ فی صد مکینوں کو ان کے بچے مالی تعاون دے رہے ہیں، ۵ء۱۸ فی صد کا انحصار اپنے پنشن پر ہے، ۶ء۲۷ فی صد کا انحصار اپنی بچت پر ہے، ۵ء۱ فی صد کے نام زمین وجائداد ہے، اور ۸ء۵ فی صد کا دارو مدار دکان ومکان کے کرایہ پر ہے۔ نیز یہ بھی جان لیجیے کہ ۷ء۲۶ فی صد معاملے میں بزرگوں کو ضعیفوں کی پناہ گاہوں میں بھیجنے کا فیصلہ ان کے بچوں کے ذریعے ہی لیا گیا، ۳ء۳۰ فی صد معاملے میں یہ فیصلہ رشتے داروں کے ذریعے لیا گیا، اور ۷ء۲ فی صد معاملے میں یہ

فیصلہ خود ان بزرگوں نے مجبور ہو کر لیا۔ (۱۸)

اب آپ غور کیجیے کہ ہندوستانی معاشرہ مغربی تہذیب سے کس حد تک متاثر ہو چکا ہے۔ جولوگ اپنے والدین کو ایسی پناہ گاہوں میں چھوڑ کر کبھی ان کی خبر گیری بھی نہیں کرتے یا کبھی کبھار احوال دریافت کر لیتے ہیں، ذرا سوچیے کہ وہ اخلاقی گراوٹ کے کس مقام پر فائز ہیں اور ان کے بزرگان کس قسم کے نفسیاتی حالات سے گزر رہے ہوں گے؟ کاش کہ ہماری نئی نسل کو یہ بات سمجھ میں آجائے اور اس سے پہلے کہ ہمارا خاندانی نظام پوری طرح ٹوٹ جائے اور سماجی تانا بانا بکھر جائے، وہ ہوش کے ناخن لیں اور بجائے مغربی تہذیب کی نقالی کے اسلامی تہذیب کو اپنا کر اپنی دنیا و آخرت کو خوشگوار بنائیں۔

☆☆☆☆☆

(۱۸) ڈاکٹر سوجیتھا پانڈین و ہم نوا، مرجع سابق، صفحہ ۴۲

عورت بحیثیت خالہ

رشتے داروں میں ماں سے ملتی جلتی صورت خالہ کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کو بمنزلہ ماں کے قرار دیا ہے۔ روایت ہے حضرت براء بن عازبؓ سے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ"۔ (۱۹) یعنی "خالہ ماں کے درجے میں ہے۔" یہ بات آپؐ نے عمرۂ قضا کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی جب حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے مابین حضرت حمزہؓ کی صاحب زادی "عمرۃ" کی کفالت کے مسئلے پر اختلاف ہوا اور ہر ایک نے اس بچی سے اپنی رشتے داری کا حوالہ دے کر اسے اپنی کفالت میں رکھنے کا دعویٰ پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرما کر کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے، فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں کیا کیوں کہ ان کی اہلیہ اس بچی کی خالہ تھیں۔ (۲۰)

اسی طرح کا واقعہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریم بنت عمران کا مذکور ہے، ان کی ولادت سے قبل ہی ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا جو کہ مسجد بیت المقدس کے امام تھے۔ جب ان کی والدہ نے اپنی نذر کے مطابق انھیں بیت المقدس کی خدمت کے لیے پیش کیا تو ان کی سرپرستی و کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا اور خادمین مسجد اقصیٰ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ سب کی یہ چاہت تھی کہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئے۔ اس قضیے کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا اور منجانب اللہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جن کی اہلیہ بی بی مریم کی خالہ تھیں۔ (۲۱)

(۱۹) سنن الترمذيؒ، كتاب البرّ و الصّلة، بابُ مَاجَاءَ فِيْ بِرّ الْخَالَةِ، حدیث نمبر ۱۹۰۴

(۲۰) صحيح البخاريؒ، كتاب المغازي، بَابُ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ، حدیث نمبر ۴۲۵۱

(۲۱) تفسير القرآن العظيم للحافظ إسماعيل بن عمر بن كثيرؒ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ۲۰۰۰م، سورة آل عمران، تفسير الآيات: ۳۵ – ۳۷، و ۴۲ – ۴۴، صفحات ۳۶۲ – ۳۶۶

ان واقعات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ماں کے بعد خالہ کو دیگر عورتوں پر یک گونہ فوقیت حاصل ہے۔عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بچے کی پرورش میں ماں کے ہوتے ہوئے بھی خالہ کا اہم رول ہوتا ہے اور خدانخواستہ اگر ماں کا انتقال ہوجائے تو اکثر حالات میں 'خالہ' ماں کا بدل ثابت ہوتی ہے۔غالبًا اسی لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کو ماں کا بدل قرار دیا اور اس کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میرے لیے توبہ (کی گنجائش) ہے؟ آپؐ نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔آپؐ نے پوچھا: کیا تیری کوئی خالہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔آپؐ نے فرمایا: پھر (تم) ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔(۲۲)

اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ ماں کی طرح خالہ بھی حسن سلوک کی حق دار ہے، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ماں اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک بڑے بڑے گناہوں کے معافی کا ذریعہ ہے۔

☆☆☆☆☆

(۲۲) سنن الترمذیؒ، کتابُ البِرّ وَ الصِّلَةِ،بابُ مَاجَآءَ فِيْ بِرِّ الْخَالَةِ،حدیث نمبر۱۹۰۴م

عورت بحیثیت بیوی

مردوں کے لیے بیوی بھی قدرت کا ایک حسین تحفہ اور نعمت ہے شرط یہ ہے کہ وہ نیک بخت ہو۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ الدُّنْيَا كُلَّهَا مَتَاعٌ، وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ" ۔(۲۳) یعنی "دنیا پوری کی پوری مال و متاع (یعنی وقتی فائدہ کی چیز) ہے اور دنیا کی چیزوں میں سے بہترین اور سب سے بڑھ کر نفع بخش شے نیک بخت عورت ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو نیک بخت خوش اخلاق عورت مل گئی اس کو سب سے بڑھ کر دنیا میں دولت مل گئی اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کی عزت اور اس کا رکھ رکھاؤ بھی ویسے ہی کیا جاتا ہے۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ (خُلُقًا)" ۔(۲۴) یعنی "سب مومنوں میں کامل تر ایمان میں وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم سب میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق میں اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ، وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَ إِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَ إِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَا سْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" ۔(۲۵) "جو

(۲۳) سنن النسائیؒ، کتابُ النِّکَاح، باب الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ،حدیث نمبر۳۲۳۲
(۲۴) سنن الترمذیؒ، کتاب الرّضاع، بَابُ مَاجَآءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلٰى زَوْجِهَا، حدیث نمبر۱۱۶۲
(۲۵) صحیح البخاریؒ، کتاب النِّکَاح، بابُ الْوَصَاةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث نمبر۵۱۸۵اور۵۱۸۶

شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا، کیوں کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی اوپر ہی کی طرف سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تو اسے ایک دم سے سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ ڈالے گا (وہ سیدھی نہیں ہوگی) اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہ کر باقی رہے گی۔ اس لیے میں تمھیں عورتوں کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔'' ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ، إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ فِيهَا عِوَجٌ''۔(۲۶) جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''عورت پسلی کی طرح ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اگر تم اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہو تو اس کے ٹیڑھے پن کی موجودگی ہی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی نفسیات کو سمجھنے اور ان سے بہتر طریقے سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ مزاج اور فطری صلاحیتوں سے نوازا ہے اور دونوں کے باہم ملنے سے ایک دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر عورتوں کو مردوں کے مزاج پر ڈھالنا مقصود اور ممکن ہوتا تو پھر ان کی تخلیق کی ضرورت ہی کیا تھی، صرف مردوں سے ہی دنیا کا نظام چلا کرتا۔ لیکن اللہ بزرگ و برتر نے اپنی حکمت بالغہ سے ہی ان دو جنسوں کو الگ الگ مزاج پر پیدا کیا ہے، لہٰذا انھیں اسی طرح رہنے دینا چاہیے اور ان سے استفادے کی راہ تلاش کرنی چاہیے جس کی بہترین تدبیر حسن اخلاق ہے جس کی وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو کی ہے۔ حجۃ الوادع کے بلیغ خطبے میں بھی آپ ؐ نے عورتوں کے ساتھ بھلائی کا حکم فرمایا۔

---

(۲۶) صحیح البخاریؒ، کتابُ النِّکاح، بابُ الْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ وَ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّمَا الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ، حدیث نمبر ۵۱۸۴

حضرت عمروؓ بن الاحوص روایت کرتے ہیں کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، پس آپ ؐ نے اللہ کی حمد وثنا کی اس (حج کی توفیق وادائیگی) پر اور نصیحت کی اور وعظ فرمایا۔ پھر راوی نے یہاں ایک طویل حدیث ذکر کیا ہے جس کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا وَإِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا؛ فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَإِنَّ حَقَّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ''۔(۲۷) ''خبردار رہو! عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو، اس لیے کہ وہ قید میں ہیں تمھارے پاس، تم ان پر کچھ اختیار نہیں رکھتے سوائے اس کے (یعنی صحبت وغیرہ کے) مگر یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں، تو اگر وہ ایسا کریں تو ان کا بستر الگ کر دو اور مار وان کو ایسی ہلکی مار کہ ہڈی پسلی نہ ٹوٹے (یعنی بہت زیادہ نہ مارو)، پھر اگر وہ تمھاری فرماں برداری کرنے لگیں تو ان کو تکلیف دینے کی راہ مت تلاش کرو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک تمھارا حق ہے تمھاری عورتوں پر اور تمھاری عورتوں کا بھی حق ہے تم پر، سو تمھارا حق تمھاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو تمھارے بستروں کے قریب نہ آنے دیں جنھیں تم پسند نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو بھی گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں جنھیں تم اچھا نہیں سمجھتے، آگاہ ہو جاؤ! اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے لباس اور کھانے کے معاملے میں ان سے عمدہ سلوک کرو۔''

---

(۲۷) سنن الترمذیؒ، کتابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، بابٌ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ، حدیث نمبر ۳۰۸۷

اس حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عورتوں سے حسن سلوک کی وصیت کی ہے اور ان کے حقوق بتائے ہیں، وہیں بیوی کو بطور تنبیہ مارنے کی اجازت بھی دی ہے اور یہ اجازت سورۃ النساء کی آیت ۔۳۴ سے بھی ثابت ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾۔(۲۸) (ترجمہ): ”مرد حاکم (نگراں) ہیں عورتوں پر، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ہے، پس نیکوکار عورتیں (مرد کی) تابع فرمان ہوتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) نگہبانی کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو تو (پہلے) تم ان کو سمجھاؤ، اور (اگر نہ سمجھیں تو) خواب گاہوں میں ان کو تنہا چھوڑ دو، اور (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو) ان کو مارو، پھر اگر وہ تمھارا کہنا مانیں تو ان کو ایذا دینے کی راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑا ہے۔ اگر تم کو ان دونوں کے تعلقات کے بگڑنے کا خوف ہو، تو مقرر کر دو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، اگر وہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بہت باخبر ہے۔“

تاہم بیوی کو بطور تادیب مارنے کی مذکورہ اجازت کے سلسلے میں اگر قرآن کریم اور

(۲۸) القرآن الکریم، سورۃ النسآء: ۳۴–۳۵

حدیث مبارک کے الفاظ پر غور کریں تو پائیں گے کہ دونوں میں ایک فرق ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں وجہ تنبیہ کے طور پر مطلق نافرمانی یا سرکشی کا ذکر ہے جب کہ حدیث میں اسے سرکشی کی ایک خاص صورت یعنی بے حیائی اور فحاشی کی راہ اختیار کرنے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، سو اگر اس حدیث کو قرآن کریم کی تفسیر وتشریح مان کر مارنے کی اجازت کو صرف اسی صورت کے ساتھ مقید کر دیا جائے، تو اس کے دفاع میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس تادیب میں ایک طرح سے شفقت کا پہلو ہی مضمر ہے کیوں کہ بے حیائی کی راہ جس عمل پر منتج ہوتی ہے، اس کی سزا اسلام میں رجم ہے یعنی سنگساری، تو ایک بڑی سزا سے بچانے کے لیے ایک چھوٹی سزا دینا عین ہمدردی ہے خلاف محبت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے کسی عزیز کے پھوڑے پھنسی کا عمل جراحی کرانا کہ اس سے مریض کو گو وقتی تکلیف تو ہوتی ہے لیکن کوئی بھی اسے خلاف محبت نہیں کہتا کیوں کہ بصورت دیگر متعلقہ عضو کے ہی ضائع ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

اور اگر مارنے کی اس اجازت کو مطلق نافرمانی کے ساتھ منسوب کر دیا جائے جب بھی قرآن کریم نے اسے تیسرے درجے میں رکھا ہے۔ اس سے قبل اصلاح کے دو درجے یعنی نرمی سے سمجھانے اور بستر سے علاحدگی کا ذکر ہے اور اگر ان شریفانہ سزاؤں سے بھی کسی کی اصلاح نہ ہو تو ہلکی مار مارنے کی اجازت ہے، اس میں بھی چہرے پر مارنے کا حکم نہیں اور نہ ہی ایسی مار مارنے کی اجازت ہے جس سے بدن پر نشانات آجائیں یا ہڈی ٹوٹنے اور زخم لگنے تک کی نوبت آجائے۔ لیکن کچھ غیر مہذب لوگ بات بات پر اور بہانے بنا بنا کر عورتوں کے ساتھ مار پیٹ اور جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں اور اپنی اس بدسلوکی کو اسلام کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسے افراد یہ یاد رکھیں کہ گرچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بدرجہ مجبوری اس کی اجازت دی ہے لیکن آپ ؐ نے اس کو قطعی پسند نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ شریف اور بھلے مرد یہ مارنے کی سزا عورتوں کو نہیں دیں گے۔ چنانچہ مارنے کی سزا پر عمل نہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صلحائے امت سے کہیں ایسا منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ، ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ''۔ (۲۹) یعنی ''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام لونڈی کی طرح نہ مارے (کیوں کہ یہ بات مناسب نہیں کہ صبح کو تو اسے اس طرح مارے) پھر شام کو اس سے صحبت کرے۔''

اسی طرح طلاق کے حکم کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اکثر معاملوں میں دین کی سمجھ نہیں ہونے کی وجہ سے ہی اس حق کا غلط استعمال ہوتا ہے اور حقوق نسواں کے علم برداران بھی شریعت سے لاعلمی یا بعض اوقات بیزاری کے سبب ایسے واقعات کو اسلام کے سر منڈھ دیتے ہیں۔ طلاق کی اجازت انتہائی ناگزیر حالات میں دی گئی ہے۔ اصلاح کی مذکورہ بالا تین تدابیر اختیار کرنے سے عورت اگر اپنے عمل میں تبدیلی لے آئے اور مطیع و فرماں بردار ہو جائے تو معاملے کو وہیں ختم کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی مصالحت اور اصلاح نہ ہو تو قرآن کریم نے ایک چوتھی تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک حَکَم (ثالث) مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کر کے دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں۔ یہ دونوں حالات کی تحقیق کریں اور معاملات طے کر کے باہمی مصالحت کی صورت پیدا کریں۔ اللہ رب العزت نے اس بات کا وعدہ بھی کیا ہے کہ اگر دونوں ثالث خلوص و ہمدردی کے ساتھ باہمی مصالحت کی کوشش کریں گے، تو وہ ضرور ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔

اگر یہ تمام تدابیر بھی ناکام ہو جائیں اور باہمی مصالحت کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو مرد کو اختیار ہے کہ وہ طلاق کا حق استعمال کرے تا کہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنی مرضی کے مطابق بقیہ زندگی گزار سکیں۔ یہ کم از کم اس صورت سے تو بہت بہتر ہے کہ انسان

(۲۹) صحيح البخاريؒ، كتابُ النِّكَاح، بابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَآءِ، حدیث نمبر ۵۲۰۴، بروایت حضرت عبداللہ بن زمعہؓ

گھُٹ گھُٹ کر تمام عمر ساتھ زندگی گزارے یا پھر شریک حیات کا قتل کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کر لے جیسا کہ ہمارے برادران وطن کے معاشرے میں عام طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ گو عورت کو طلاق کا آزادانہ اختیار نہیں دیا گیا ہے لیکن اُسے اس حق سے بالکل محروم بھی نہیں کیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے ظلم کو سہنے پر مجبور ہو بلکہ اُسے یہ حق حاصل ہے کہ حاکم شرعی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور اپنی شکایات کے حق میں ثبوت فراہم کر کے نکاح فسخ کرا لے یا طلاق حاصل کر لے جسے شریعت میں خُلع کہتے ہیں۔ عورت کو طلاق کا آزادانہ حق نہیں دینے کی ایک وجہ تو مرد کی قوامیّت اور اس کا مہر اور نفقات کی شکل میں عورت کی ذات پر مال کا خرچ کرنا ہے۔ اگر عورتوں کو طلاق کا آزادانہ اختیار دیا گیا ہوتا تو آج کے دور کی بہت سی رذیل قسم کی عورتیں نکاح کو تجارت ہی بنا لیتیں۔ ان کی نگاہیں مہر اور شوہر کے دوسرے اموال پر ہوتیں اور جب یہ چیزیں ان کے قابو میں آ جاتیں تو وہ شوہر کو طلاق دے کر چل دیتیں۔ ایسے کئی واقعات حالیہ دنوں میں منظر عام پر آ بھی چکے ہیں۔ اس لیے اصولاً یہ بات درست سمجھی گئی کہ جس نے مال خرچ کیے ہوں اسے ہی طلاق کا آزادانہ حق ہو۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے، وقتی حالات کے اثرات کے تحت پیدا شدہ جذبات سے بہت جلد مغلوب ہو جاتی ہیں، اس لیے اس میں ایک طرح کی حفاظت بھی ہے کہ کہیں وقتی تاثرات رشتوں کے انقطاع کا سبب نہ بن جائیں۔

دوسری طرف مردوں کو طلاق کا آزادانہ اختیار تو دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس پر ناپسندیدگی بھی ظاہر کر دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ الطَّلَاقُ''۔ (۳۰) یعنی ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔'' دوسری روایت حضرت محارب بن دثارؒ سے ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں: ''مَا أَحَلَّ اللّٰهُ

(۳۰) سُنَن أبي داوُدؒ، كتابُ الطَّلَاق، بابُ فِي كَرَاهِيَّةِ الطَّلَاق، حدیث نمبر ۲۱۷۸

شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ"۔[۳۱] یعنی" طلاق سے زیادہ مبغوض کوئی اور چیز اللہ نے حلال نہیں کی۔"

مذکورہ روایتوں میں اول الذکر روایت، اس کے ایک راوی کثیر بن عبید کے لین الحدیث ہونے کی وجہ سے، اور ثانی الذکر روایت، مرسل ہونے کی وجہ سے اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے گو کہ امام حاکمؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور علامہ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے لیکن امام ابوحاتمؒ، امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ہی راجح کہا ہے۔ تاہم ان احادیث کا جو پیغام ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ زوجین کی تفریق انسان کے ازلی دشمن ابلیس کی پسندیدہ ترین چیز ہے جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ بھی کر دیا ہے اور یہ بات صحیح روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:
"إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَ كَذَا، فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَ يَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ"۔[۳۲] (ترجمہ): "بے شک ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنے لشکروں کو (عالم میں فساد کرنے کے لیے) بھیجتا ہے۔ پس اس کے نزدیک مرتبے میں مقرب ترین وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ برپا کرے۔ (چنانچہ) ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس اس طرح کیا (مثلاً فلاں کو شراب پلوائی، فلاں سے چوری کرائی وغیرہ) تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان

(۳۱) سُنَن أبي داوُدؒ، کتابُ الطَّلاق، بابُ فِي كَرَاهِيَّةِ الطَّلَاق، حدیث نمبر۲۱۷۷

(۳۲) صحیح مسلمؒ، کتاب صِفَاتِ الْمُنَافِقِيْنَ وَ أَحْكَامِهِمْ، باب تَحْرِيْشِ الشَّيْطَان وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ لِفِتْنَةِ النَّاس..، حدیث نمبر۷۱۰۶، بروایت حضرت جابرؓ

تفریق (جدائی) نہ کرا دی، تو ابلیس اس کو اپنے سے قریب کر لیتا (چمٹا لیتا) ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا ہے۔" اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جو چیز ابلیس کی محبوب ترین چیز ہو وہ اللہ عزوجل کی پسندیدہ تو نہیں ہو سکتی!

اس کے علاوہ طلاق کی اجازت کے ساتھ کئی پابندیاں بھی لگا دی گئی ہیں۔ مثلاً غصے کی حالت اور وقتی ناگواری میں اس اختیار کو استعمال نہ کیا جائے، عورت جب حیض (Menses) کی حالت میں ہو تو اُسے طلاق نہ دی جائے، اسی طرح اُس طہر (دو حیض کے درمیان پاکی کے ایام) کی حالت میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مجامعت (Intercourse) کی نوبت آئی ہو۔ آخر الذکر دونوں صورتوں میں جہاں عورت کی عدت کی مدت کے طویل ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے، اس کی تکلیف سے حفاظت مقصود ہے، وہیں اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ ممکن ہے مقصود مدت کے انتظار میں غصہ فرو ہو جائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسی طرح شریعت نے ایک اور آسانی یہ بھی رکھی ہے کہ لفظ طلاق کے منہ سے نکلتے ہی تمام رشتے منقطع نہیں ہو جاتے بلکہ ایک یا دو طلاق کی صورت میں عدت کی مدت تک عورت اسی مرد کے نکاح میں رہتی ہے اور اگر وہ دونوں چاہیں تو شرعی قاعدے کے مطابق باہم رجوع کر سکتے ہیں۔ اسی لیے عدت اسی کے گھر میں گزارنے کا حکم ہے کہ بہت ممکن ہے کہ غصہ فرو ہو جائے اور باہمی مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے اور اگر عدت گزر جانے کے بعد مصالحت کی صورت پیدا ہوتی ہے، تب بھی دونوں کو پھر سے شرعی قائدے کے مطابق نکاح کر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔ اسی لیے بہ یک وقت تین طلاق کے استعمال سے بھی روکا گیا ہے تاکہ غور و فکر اور رجوع کے امکانات باقی رہیں، یکسر ختم نہ ہو جائیں۔

ان تمام احکام پر اگر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ شریعت میں اخیر درجے تک اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ رشتہ ازدواج ٹوٹنے نہ پائے۔ رسول پاک صلی

اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی بیویوں سے حتی الامکان نباہ کرنے کی ترغیب دی، انھیں ان کی خوبیوں پر نگاہ رکھنے اور عیبوں کو نظر انداز کرنے کی تلقین کی، اور فرمایا کہ اگر ان کے اندر کوئی عیب ہے تو کوئی خوبی بھی ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ''۔ (۳۳) یعنی مومن مرد کی یہ شان نہیں کہ اپنی مومنہ بیوی سے بغض رکھے، اگر اس کی ایک عادت اُسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔''

طلاق کے احکام پر غور کرنے سے دوسری اہم بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ طلاق (کم از کم رجعی کی حد تک) اصلاحی تدابیر کا ہی حصہ ہے اور اسے بالکل اخیر درجے میں بطور اصلاح ہی استعمال کرنا چاہیے اور حتی الامکان نباہ کی صورت پیدا کرنی چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاق دینا، نشہ کی حالت میں طلاق دینا، ایک ہی مجلس میں دو، تین یا اس سے زائد طلاق دینا شریعت کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سب وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں یا تو شریعت کا علم نہیں یا پھر شریعت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں۔ اگر تعلقات منقطع بھی کرنا ہو تو بھی ایک طلاق ہی کافی ہے، بس عدت کے اندر رجوع نہ کرے۔ اس صورت میں زندگی کے کسی موڑ پر باہم ساتھ ہونے کی گنجائش باقی رہے گی لیکن جہلا یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین طلاق نہیں دیں گے، طلاق ہی نہیں ہوگی۔ چنانچہ وہ ایک ہی مجلس میں تین یا اس سے زائد طلاق دے بیٹھتے ہیں اور پھر روتے پھرتے ہیں۔ اس طرح یہ مسئلہ پوری طرح شریعت سے لاعلمی اور جہالت کا ہے جسے اسلام کے سر منڈھا جاتا ہے۔

نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ تین طلاق کی حد بندی کا حکم بھی عورتوں کے دفاع میں ہی آیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ دور جاہلیت میں یہ برائی عام ہو چکی تھی کہ ایک مرد بیوی کو جتنی بار چاہے طلاقیں دیتا اور عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتا، پھر طلاق دے دیتا۔ اس طرح

(۳۳) صحیح مسلمؒ، کتابُ الرِّضَاع، بابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث نمبر ۳۶۴۵

عورت کی جان شکنجے میں رہتی تھی کہ نہ تو اسے اچھی طرح بسایا جاتا اور نہ ہی عزت کے ساتھ اسے رخصت ہی کر دیا جاتا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکے۔ پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاق جس میں رجوع کا اختیار ہو، صرف دو ہی بار دے سکتے ہیں، تیسری طلاق کے بعد اہلیہ کو لوٹانے کا کوئی حق نہیں رہے گا بجز اس صورت کے وہ عورت اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور وہ شخص بھی اپنی مرضی سے کبھی اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے، تو اب پہلے شوہر کے لیے اسے معروف طریقے پر اپنے نکاح میں لینا درست ہوگا۔ یہ حکم سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۲۹-۲۳۰ کے نزول کے ساتھ جاری ہوا۔ یہ ایک طرح کی ذلت آمیز نفسیاتی سزا تھی جو ایسے مردوں کے لیے نافذ کی گئی جنھوں نے طلاق کے دستور کو کھیل بنا رکھا تھا اور عورتوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ اس طرح عورتوں کے ساتھ کیا جانے والا یہ کھلواڑ بند ہوا۔ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیات کو مع ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّآ أَنْ يَّخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ط فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ط تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ج وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ہ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ط فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ط وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ﴾۔ (۳۴)

(ترجمہ): ''طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم نے

(۳۴) القرآن الکریم، سورۃ البقرہ: ۲۲۹-۲۳۰

انھیں جو کچھ دے دیا ہے اُس میں سے کچھ بھی واپس لے لو، سوائے اس کے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، پھر اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت رہائی پانے (یعنی خلع) کے لیے کچھ فدیہ میں دے ڈالے، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو باہم میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے، اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جنھیں وہ ان لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہے جو علم رکھتے ہیں۔''

ان آیات کے سببِ نزول کے سلسلے میں احقر نے سطور بالا میں جو کچھ رقم کیا ہے اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہؓ کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے جسے امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے:"عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ، وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا، وَ هِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَ هِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ، حَتّٰى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ: وَاللّٰهِ! لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِينِينَ مِنِّي، وَلَا آوِيكِ أَبَدًا، قَالَتْ: وَكَيْفَ ذَاكَ؟، قَالَ: أُطَلِّقُكِ، فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ، رَاجَعْتُكِ، فَذَهَبَتِ الْمَرْأَةُ حَتّٰى دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا، فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ حَتّٰى جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَتْهُ، فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْآنُ: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (سورة البقرة: آية ٢٢٩)، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مُسْتَقْبَلًا، مَنْ كَانَ طَلَّقَ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ."۔(۳۵)

(۳۵) سنن الترمذيؒ، کتاب الطلاق واللعان، باب نزول قوله: الطلاق مرتان، حدیث نمبر۱۱۹۲

(ترجمہ): ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا حال یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی بار چاہتا طلاقیں دے دیتا، پھر عدت کے دوران رجوع کر لیتا تو وہ اس کی بیوی بنی رہتی، اگرچہ اس نے سو بار یا اس سے زائد مرتبہ اسے طلاقیں دی ہوں، یہاں تک ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم! میں تجھے نہ کبھی طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو جائے اور نہ تجھے کبھی پناہ ہی دوں گا، اس عورت نے پوچھا کہ ایسا کس طرح کرے گا؟ اس نے کہا وہ اس طرح کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا، پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے والی ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا (اسی طرح ہمیشہ کرتا رہوں گا)، پس وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس گئی اور انھیں اس واقعہ کی خبر دی، حضرت عائشہؓ خاموش رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ ؐ کو اس کی خبر دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش رہے یہاں تک کہ قرآن کی آیت ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (سورة البقرة: ٢٢٩) نازل ہوئی یعنی ''طلاق (رجعی) دو ہی مرتبہ ہے، پھر عورت کو یا تو معروف اور بھلے طریقے سے روک لینا ہے یا عمدگی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے آئندہ کے لیے طلاق کا از سرِ نو حساب رکھنا شروع کر دیا، جس نے طلاق دے رکھی تھی اس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اس نے بھی۔''

اس روایت کو امام ابی بکر احمد بن الحسین بیہقیؒ بھی سنن الکبریٰ بیہقی میں، کتاب الخلع و الطلاق، باب ما جاءَ فِي اِمْضَاءِ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ وَ اِنْ كُنَّ مَجْمُوعَاتٍ، کے تحت لائے ہیں۔(۳۶) ساتھ ہی انہوں نے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عروہ بن زبیرؓ کی بھی نقل کی ہے (۳۷)، جسے امام مالکؒ بھی مؤطا میں

(۳۶) حدیث نمبر ۱۴۹۵۰

(۳۷) حدیث نمبر ۱۴۹۵۱

کتاب الطلاق، باب جَامِعِ الطَّلَاقِ، کے تحت لائے ہیں۔(۳۸) یہ تمام روایات طلاق کے مذکورہ تحدیدی حکم کے سببِ نزول کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

ایک اور پہلو جس کی طرف سے کچھ لوگ لاپرواہی برتتے ہیں، عورتوں کا نان ونفقہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عورتوں کو روٹی، کپڑا اور سکونت اپنی وسعت (Capacity) کے مطابق دینا ہر مرد پر لازم ہے۔ حضرت حکیم بن معاویہ القشیریؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم پر ہماری بیوی کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ''۔(۳۹) (ترجمہ): ''جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب کپڑا پہنو یا کماؤ تو اسے بھی پہناؤ اور اس کے چہرے پر نہ مارو اور برا بھلا مت کہو اور اسے علاحدہ نہ چھوڑو مگر اپنے گھر میں (یعنی تنبیہ کے لیے اگر اسے اپنے سے علاحدہ کرنا چاہو تو اپنے گھر میں ہی ایسا کرو، اسے گھر سے نکالنا یا کہیں اور بھیج دینا یا اسے چھوڑ کر خود کہیں چلے جانا مناسب نہیں)۔''

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ شمول چند دیگر حقوق کے، عورتوں کے نان ونفقہ پانے کے حق کی بھی وضاحت کر دی ہے اور صرف یہی نہیں کہ آپؐ نے عورتوں کا نان ونفقہ ان کے شوہروں پر لازم قرار دیا بلکہ اس پر ثواب کی بشارت بھی دی ہے۔ حضرت ابو مسعود بدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰی أَهْلِهِ صَدَقَةٌ''۔(۴۰) یعنی ''انسان کا اپنی بیوی اور بال بچوں پر خرچ

(۳۸) حدیث نمبر ۱۲۸۷

(۳۹) سنن أبي داوٗدؒ، کتاب النّکاح، باب فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلٰی زَوْجِهَا، حدیث نمبر ۲۱۴۲

(۴۰) صحیح البخاريؒ، کتاب المغازي، باب ۱۲، حدیث نمبر ۴۰۰۶

کرنا بھی صدقہ ہے۔'' حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان آدمی جب اپنی بیوی بال بچوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم ادا کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کرے تو اس میں اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔ آپؐ کا معاشرتی فرائض کو اخروی انعامات سے جوڑ کر بتانا جہاں اسلامی فلسفہ حیات کی جامعیت کی عکاسی کرتا ہے، وہیں یہ ایک ایسے محرک کا کام بھی کرتا ہے جو انسان کے فرائض کی ادائیگی کے جذبے کی کیفیت کو ہی یکسر بدل کر رکھ دیتا ہے۔

آپؐ نے اس بات کی بھی ہدایت دی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک سے زائد بیویاں ہوں تو وہ نان ونفقہ، لین دین اور شب باشی میں ان کے درمیان عدل کرے۔ محبت ایک فطری چیز ہے جو کسی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے لیکن اس کے غلبے میں دوسری کو نظر انداز کرنے یا اُس کی حق تلفی کر کے اُسے اذیت پہنچانے کو آپؐ نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔ آپؐ نے خود اپنی ازدواجی زندگی میں عملاً ان اصول وضوابط کو نافذ کر کے بھی دکھایا ہے۔ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان راتیں عدل کے ساتھ (برابر برابر) تقسیم کرتے تھے اور پھر کہتے: ''اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قِسْمَتِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَ لَا أَمْلِكُ''۔(۴۱) (ترجمہ): ''یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اُس چیز میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں سو تو ملامت نہ کرنا مجھ کو اُس چیز میں جس کا میں اختیار نہیں رکھتا بلکہ تو اختیار رکھتا ہے (یعنی محبت ومیلانِ قلبی وغیرہ میں)۔''

جو لوگ ایک سے زیادہ شادیاں کر لیتے ہیں اور اپنی بیویوں کے درمیان نان ونفقہ، لین دین اور شب باشی میں عدل نہیں کرتے، ان کے بارے میں آپؐ سے وعید بھی منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ، فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ شِقُّهُ سَاقِطٌ''۔(۴۲)

(۴۱) سنن الترمذيؒ، کتاب النّکاح، بابُ مَاجَآءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ، حدیث نمبر ۱۱۴۰

(۴۲) سنن الترمذيؒ، کتاب النّکاح، بابُ مَاجَآءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ، حدیث نمبر ۱۱۴۱

(ترجمہ): ''جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کرتا ہو، تو وہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کے بدن کا آدھا حصہ مفلوج ہوگا۔'' لہٰذا اگر کوئی شخص اس بات کا اندیشہ رکھتا ہو کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان حسن سلوک اور لین دین میں عدل نہیں کر سکے گا، تو اسے ایک ہی شادی پر اکتفا کرنا چاہیے جیسا کہ قرآن کریم کی بھی تعلیم ہے: ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً'' ۔(۴۳) یعنی ''اگر تم کو اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔'' ایسا شخص اگر ایک سے زائد نکاح کرتا ہے تو گویا وہ اپنی آخرت کو داؤ پر لگا رہا ہے۔ غور کیجیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن معاشرت کی کیسی تعلیم دی ہے لیکن یہ ساری باتیں اُسی کے لیے مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہو اور خدا کے سامنے جواب دہی سے ڈرتا ہو۔ جہاں دین کا کوئی تصور ہی نہیں، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا کوئی پاس ولحاظ نہیں، وہاں ان خیالات کے قدر کی توقع رکھنا یقیناً فضول ہے۔

یہاں ایک سوال کسی نام نہاد روشن خیال شخص کے ذہن میں آسکتا ہے کہ آخر اسلام میں ایک سے زائد شادیوں کی اجازت ہی کیوں دی گئی ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواجی زندگی میں عملی طور پر اپنا کر اسے کیوں فروغ دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ تعدد ازواج (Polygamy) کے طریقے کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل رائج کیا ہے اور عالم انسانیت کے لیے اسلام کا یہ کوئی نیا حکم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مردوں کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج جس میں تعداد کی قید بھی نہیں تھی، شریعت محمدیہ کی آمد سے بہت قبل سے ہی بہ شمول عرب سوسائٹی، دنیا کی مختلف اقوام میں موجود تھا، اور تمام ادیان کے پیروؤں میں رائج تھا بلکہ اسلام

(۴۳) القرآن الکریم، سورۃ النسآء:۳

نے تو اسے چار کی تعداد پر محدود کر دیا کیوں کہ لوگ شادیاں تو متعدد کر لیتے تھے اور ان بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ تو ایک طرح سے تو اسلام نے عورتوں کے حق میں ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ایک سے زائد شادی کرنے کی صرف اجازت دی گئی ہے، یہ کوئی لازمی حکم نہیں ہے کہ ہر مسلمان چار شادی کرے ہی۔ دوسری طرف عورتوں کو بھی اسلام میں اس بات کی مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ اس طرح کی شادی کے لیے اپنی مرضی سے فیصلہ کرے، کوئی شخص کسی لڑکی یا عورت کو اس کی رضامندی کے بغیر کسی شادی شدہ شخص کی دوسری یا تیسری بیوی بننے پر مجبور نہیں کر سکتا کیوں کہ نکاح کے لیے طرفین کی رضامندی لازمی شرط ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ'' ۔(۴۴) یعنی بیوہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا حکم نہ معلوم کر لیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ مل جائے۔ لہٰذا کوئی بھی نکاح باہمی رضامندی کے بغیر منعقد ہی نہیں ہو سکتا، اور جب عورت کی رضامندی حاصل ہوگئی اور آزادیٔ انتخاب (Freedom of Choice) کی رعایت ہوگئی تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں! ہمارے ملک میں مسلم تو کیا، کئی نامور (Celebrity) غیر مسلم خواتین نے دوسری بیوی بننا پسند کیا ہے جن کے اوپر دباؤ کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، مثلاً ہیلن، ہیما مالنی، اسمتا پاٹل، سونی رازدان، جیا پرداوغیرہ۔ اگر ان کی شادیوں پر کوئی سوال صرف اس لیے نہیں اٹھ سکتا کہ یہ ذاتی پسند اور انتخاب کا معاملہ ہے، تو ایک عام مسلمہ کے اس طرح کے فیصلے پر اعتراض کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ اعتراض کی معقول صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ عورت کی رضامندی کا خیال نہیں رکھا

(۴۴) صحیح البخاریؒ، کتاب النکاح، بابٌ لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا، حدیث نمبر ۵۱۳۶، بروایت ابوہریرہؓ

گیا ہو اور اس کی مرضی کے بغیر اس کے ولی (Guardian) نے اس کا نکاح کسی شادی شدہ شخص سے کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں تو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ اختیار دیا ہی ہے کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو اسے توڑ دے۔ اس سلسلے کی احادیث بیٹیوں کے حقوق کے تحت آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی۔

تیسری بات یہ کہ جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا کہ ایک سے زائد شادی کو بیویوں کے درمیان حقوق کی ادائیگی اور داد و دہش میں عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، بصورت دیگر ایک پر ہی اکتفا کرنے کو کہا گیا ہے جس حکم کی مثال کسی دوسرے مذہب میں شاید ہی ملے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس میں یتیم لڑکیوں، بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خیر خواہی مقصود تھی کہ دوسری شادی کے بہانے ہی سہی انھیں بھی سرپرست اور نگراں نصیب ہو جائے جوان کی کفالت بھی کرے اور ان کے معاشرتی حقوق کی حفاظت بھی۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کیوں کہ جنگوں میں بڑی تعداد میں مرد قتل ہو جاتے تھے اور ان کی بیوہ اور یتیم بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کی جس آیت کے ذریعے یہ اجازت مسلمانوں کو دی گئی یعنی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳، اس کے نزول کا سبب اور پس منظر بھی یہی ہے کہ احد کی لڑائی میں ۷۰ مسلمان شہید ہو گئے تھے اور یکلخت ۷۰ (ستّر) گھرانہ سرپرستوں سے محروم ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ حکم آیا کہ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں، اگر وہ چاہیں تو ان یتیم لڑکیوں اور بیواؤں کو نکاح کے ذریعے اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ پھر اس حکم کو باقی رکھا گیا، منسوخ نہیں کیا گیا کیوں کہ ہر زمانے میں ایسی صورت حال کے واقع ہونے کا امکان تھا اور ایسا ہوا بھی جس کی گواہی عالمی تاریخ دے رہی ہے اور دور حاضر میں بھی یہ صورت حال حقیقی طور سے سامنے آچکی ہے کہ خود کو مہذب، تعلیم یافتہ اور انسانی حقوق کی پاس دار سمجھنے والی اقوام نے محض اپنے مفاد کی خاطر کسی نہ کسی بہانے اور فریب سے دنیا کے متعدد ممالک کو جن میں اکثر مسلم ممالک

ہی ہیں، جنگ کی بھٹی میں جھونک رکھا ہے جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لڑکے لڑکیاں یتیم اور عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ پھر ان کے ہر قسم کے استحصال (Exploitation) کا لامتناہی سلسلہ بھی جاری ہے۔ لہٰذا قرآن کے تعدد ازواج کی اجازت سے متعلق حکم کی معنویت آج بھی باقی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو کوئی نکاح کیے اس کے پیچھے بھی مذکورہ مصلحت کے علاوہ کئی ساری حکمتیں تھیں۔ ان میں کئی قبائل یا خاندانوں سے رشتے کو استوار کرنا بھی مقصود تھا تاکہ وہ اسلام کے فروغ میں معاون بن سکیں اور بعض مرتبہ کسی قبیلے کے افراد کی دل جوئی اور مدد کرنا بھی مقصود ہوتا تھا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ حضرت جویریہؓ بنت حارث ہیں جو بنوالمصطلق قبیلہ سے تھیں اور غزوہ مریسیع میں قید ہو کر آگئی تھیں۔ غنیمت کی تقسیم میں وہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصے میں گئیں جنہوں نے ان کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کر لیا یعنی اتنی مالیت ان کی آزادی کا معاوضہ طے کر دیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے عرض کیا کہ میں اپنے قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں اور مجھ پر جو مصیبت گزری ہے اس کا حال آپؐ کو معلوم ہے۔ اب ثابت بن قیسؓ نے نو اوقیہ سونے پر مجھے مکاتب کیا ہے جو میرے بس سے باہر ہے، اس لیے آپؐ کے پاس مدد کے لیے آئی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ مطلوبہ معاوضہ ادا کر کے میں تجھے آزاد کرا دوں اور پھر تجھ سے نکاح کر لوں؟ ایک سردار کی بیٹی کے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ وہ غلامی سے آزاد ہو کر اسلامی حکومت کے سربراہ کی زوجیت میں ہو۔ چنانچہ وہ بہ خوشی راضی ہو گئیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔ جب صحابہ کو یہ پتہ چلا کہ بنوالمصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرال ہو گیا تو انہوں نے بھی اس رشتے کے اعزاز میں اپنے اپنے قیدیوں اور غلاموں کو جو اس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے آزاد کر دیا اور اس طرح صرف اس ایک

نکاح کی وجہ سے سوگھرانے آزاد ہوگئے۔ (۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کی ایک حکمت مردوں کو عدل بین الازواج اور حسن معاشرت کی تعلیم دینا بھی تھی کیوں کہ جب تعدد ازواج کی اجازت کا حکم باقی رہا تو کچھ لوگ اسلامی معاشرے میں ضرور ہی اس حکم سے مستفید ہوتے۔ لہٰذا ان کے لیے آپؐ کا اسوہ (عملی نمونہ) سامنے آنا لازم تھا تاکہ بعد کو کوئی یہ نہ کہتا کہ اسلام کے دیے ہوئے ان اصولوں پر چلنا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں۔ آپؐ کی متعدد شادیوں کے پیچھے ایک مقصد چند ایسی معلمات کا تیار کرنا بھی تھا جو عورتوں کو شرعی مسائل کی تعلیم دے سکیں بالخصوص ان مسائل کی جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً حیض، نفاس، جنابت، وظیفہ زوجیت، رضاعت وغیرہ کے احکام۔ دوسری عورتوں کو یہ تعلیمات دینے میں شرم وحیا آپؐ کے لیے بھی مانع رہتی اور ان عورتوں کے لیے بھی۔ لیکن بیویوں کے درمیان ان مسائل کو بیان کرنے میں آپؐ کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی اور وہ دوسری عورتوں کو بحسن وخوبی اور بغیر کسی رکاوٹ کے یہ تعلیمات پہنچا سکتی تھیں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ آپؐ کی بیویاں عورتوں کی بہترین معلّمہ ثابت ہوئیں اور بعض تو عظیم محدثہ بنیں جن سے مرد صحابہ بھی اکتساب فیض کیا کرتے تھے۔ ان بیویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی اور گھریلو زندگی کے ان روشن پہلوؤں کو منظر عام پر لایا جن پر باہری افراد عام طور پر مطلع نہیں ہو سکتے تھے۔

ایک سے زائد شادیوں کی اجازت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم پر عمل پیرا ہونے کی مذکورہ مصلحتوں کے علاوہ بھی کئی ساری مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو یہاں طوالت کے خوف سے چھوڑا جا رہا ہے۔ اگر کوئی صاحب یا صاحبہ ان مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھنا چاہیں تو انھیں مولانا سید حامد علیؒ کی کتاب ''تعدد ازدواج''، مولانا وحید الدین خان صاحبؒ کی

(۴۵) سیرت ابن ہشام اردو، اسلامی کتب خانہ، لاہور، جلد۳، صفحہ۹۳؛ الرحیق المختوم اردو از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۲۰۰۰ء، صفحہ۴۴۴؛ طبقات بن سعد اردو، نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد۱، صفحہ ۲۹۶

کتاب ''تعدد ازواج'' (ہندی ایڈیشن ''بہوپتنی واد'' اور انگریزی ایڈیشن "Polygamy and Islam")، محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب کی کتاب ''تعدد ازواج، کب؟ اور کس لیے؟''، مولانا نور الحق رحمانی صاحب کی کتاب ''تعدد ازدواج حقائق کے آئینہ میں''، عبداللہ ناصح علوان کی کتاب **"تعدد الزوجات في الإسلام وحكمة تعدد زوجات النبى ﷺ"**، عبدالتواب ہیکل کی کتاب **"تعدد الزوجات في الإسلام وحكمة التعدد فى أزواج النبي ﷺ دحض شبهات و رد مفتريات"**، ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس اور ڈاکٹر جمیلہ جونس کی کتاب "Polygamy in Islam" (پولی گیمی اِن اسلام)، الحاج احمد ایچ شریف کی کتاب "Why Polygamy is Allowed in Islam?" (وھائی پولی گیمی اِز الاؤڈ اِن اسلام؟) اور مولانا سید احمد عروج قادریؒ کی کتاب "Polygamy- The Islamic View" (پولی گیمی دی اسلامک ویو) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر شائستہ پروین کا تحقیقی مقالہ بعنوان ''ہندوستانی معاشرہ میں تعدد ازدواج؛ عیسائیت، ہندوازم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ''، جس پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبہ سنی دینیات نے ۲۰۰۷ء میں ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی، بھی اہمیت کا حامل ہے۔

☆☆☆☆☆

عورت بصورت بیوہ ومطلقہ

بیوہ عورتوں کو سماج میں بدنصیب، منحوس اور حقیر تصور کیا جاتا رہا ہے حالاں کہ ان کی بیوگی میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا، قدرت کی طرف سے وہ خود ایک بڑی آزمائش کا شکار ہوتی ہیں۔ لیکن سماج ان کے ساتھ ہمدردانہ اور معاونانہ سلوک کرنے کے بجائے ذلت آمیز سلوک کرتا رہا ہے حتیٰ کہ بعض معاشروں میں ان سے جینے کا حق بھی سلب کرلیا جاتا تھا، اور انھیں شوہر کے آخری رسومات کے ساتھ ہی اپنی جان دینی پڑتی تھی۔ ہمارے ملک ہندوستان میں یہ رسم ستی پرتھا کے نام سے جاری تھی، جس میں بیوہ کو شوہر کی چتا پر ہی خود کو جلا لینا ہوتا تھا، اور یہ ان کے لیے عزت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ایک مطالعہ کے مطابق اسی قسم کی رسم نیپال، انڈونیشیا، ویتنام، فلپائن، کمبوڈیا، برما (میانمار)، فیجی، چین اور روس کے بعض خطوں میں بھی جاری تھی۔ ہمارے ملک میں اس رسم پر سب سے پہلے بنگال کی صوبائی حکومت نے ۱۸۲۹ء میں پابندی لگائی جس میں راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۲ء-۱۸۳۳ء) نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ملکی سطح پر اس رسم بد پر پابندی ۱۸۶۱ء میں ملکہ وکٹوریہ کے ایک فرمان کے ذریعے لگی۔ پھر ۱۹۸۸ء میں ''انڈین کمیشن آف ستی پریونشن ایکٹ ۱۹۸۷'' (Indian Commission of Sati Prevention Act, 1987) کا ہندوستانی پارلیمنٹ کے ذریعے نفاذ عمل میں آیا جس کے ذریعے ستی میں ہر قسم کے تعاون کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ پڑوسی ملک نیپال میں اس رسم پر سنہ ۱۹۲۰ء میں پابندی لگی۔ یہ باتیں صرف اسی لیے لکھی گئیں تاکہ بیوہ کے سلسلے میں جو سماجی سوچ تھی اس کا اندازہ لگایا جاسکے اور اس بات پر بھی غور کیا جاسکے کہ دوسری تہذیبوں کو بیوہ عورتوں کے ساتھ ہو رہے اس غیر انسانی سلوک کی برائی کتنی تاخیر سے سمجھ میں آئی۔

اسلام نے تو ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہی انسانی جان کا احترام کرنا سکھایا۔ قرآن کا اعلان عام یوں سامنے آیا: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ۔(۴۶) (ترجمہ): ''جس نے کسی انسان کو بلاعوض کسی جان کے یا بجز زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے قتل کردیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی تو یہ ایسا ہے گویا اس نے سارے انسانوں کی جان بچائی۔'' انسانی جان کی عظمت و احترام کو بیان کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور اسلوب نہیں ہوسکتا۔ کوئی انسان جب کسی دوسرے انسان کا ناحق قتل کرتا ہے تو گویا وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے دل میں حیات انسانی کا کوئی ادب و احترام نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے انسانیت کے حدود کو پھلانگتا ہے، پھر کسی کا قتل کرتا ہے۔ اس لیے قرآن کی نظر میں وہ پوری انسانیت کا دشمن ٹھہرتا ہے۔ قرآن یہ چاہتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کے تئیں احترام کا جذبہ موجود ہو اور ہر شخص دوسرے کی جان کے تحفظ میں مددگار بننے کا بھی حوصلہ رکھتا ہو، نہ یہ کہ وہ کسی کی جان تلف کرے یا کسی کی جان تلف ہوتے ہوئے دیکھے اور خاموش تماشائی بنا رہے۔ کسی دوسرے انسان کی جان تلف ہونے کی تکلیف کو اگر کسی شخص نے اپنے دل میں محسوس نہیں کیا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے انسانی صفت کو ہی کھو دیا ہے اور وہ انسان نما محض ایک حیوان ہے۔

یہ بھی قرآنی تعلیمات کا حصہ ہے کہ انسانی جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس سے ایک معین مدت تک استفادہ کرنے کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے لیکن اسے تلف کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی اور خودکشی کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ''۔(۴۷)

---

(۴۶) القرآن الکریم، سورۃ المآئدۃ: ۳۲

(۴۷) القرآن الکریم، سورۃ النسآء: ۲۹

(ترجمہ): ”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ“۔ (۴۸) یعنی جس نے کسی چیز سے خودکشی کر لی تو اسے جہنم میں اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں خودکشی کا رجحان دوسری ملتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم بلکہ نا قابل ذکر ہے۔ لہٰذا جو بیوہ عورتیں ستی کی نذر ہو گئیں وہ صرف اسلامی تعلیمات سے محرومی کی وجہ سے ہوئیں؟ اگر لوگوں نے اسلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لے لیا ہوتا تو انسانیت کا اتنا بڑا نقصان شاید نہیں ہوتا۔

بیوہ سے کچھ ملتی جلتی صورت حال مطلقہ عورت کی بھی ہوتی ہے کہ سماج اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے گرچہ اس کا اس معاملہ میں کوئی قصور بھی نہ ہو۔ ایسی عورتیں عموماً بے سہارا ہو جاتی ہیں اور بقیہ زندگی گزارنا بھی ان کے لیے دوبھر ہو جاتا ہے۔ ان میں اکثر اپنے والدین کی طرف لوٹتی ہیں اور بقیہ اپنی زندگی کی جنگ خود لڑنا پسند کرتی ہیں۔ اس لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو اپنی ایسی بیٹی کے ساتھ جو اس کی طرف لوٹ کر آ جائے حسن سلوک کی ترغیب دی ہے۔ حضرت سراقہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ”أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ“۔ (۴۹) یعنی ”کیا میں تمھیں سب سے افضل صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ تمھاری وہ بیٹی جو (خاوند کی وفات یا طلاق کی وجہ سے) تمھارے پاس واپس آ گئی اور جس کے لیے تمھارے علاوہ اور کوئی کمانے والا نہ ہو۔“ یعنی ایسی بیوہ یا مطلقہ بیٹی کے اخراجات برداشت کرنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا افضل ترین صدقہ ہے۔

مطلقہ عورت کے لیے اسلام نے یہ ضابطہ بھی دیا ہے کہ اگر اس کے چھوٹے بچے

(۴۸) صحيح البخاريؒ، كِتَابُ الأَدَبِ، بابٌ مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ، فَهُوَ كما قالَ، حدیث نمبر ۶۱۰۵، بروایت حضرت ثابت بن ضحاکؓ

(۴۹) سنن ابن ماجہؒ، كِتَابُ الأَدَبِ، بابُ بِرِّ الْوَالِدِ، وَالإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث نمبر ۳۶۶۷

ہوں اور وہ ان کی پرورش و پرداخت کرتی ہے تو جب تک یہ سلسلہ رہے گا، مطلقہ عورت اور بچوں کا نفقہ اس مرد کے ذمے ہوگا جس نے طلاق دی ہے اور جس کے وہ بچے ہیں۔ لیکن بیوہ عورت کے پاس اگر چھوٹے بچے ہوں اور مالی حالت پہلے سے اچھی نہ ہو اور والد یا بھائی یا کوئی اور قریبی رشتے دار بھی کفالت کرنے والا نہ ہو، تو بچوں کی پرورش بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مومنین کو بھی بیواؤں اور محتاجوں کی مدد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ“۔ (۵۰) یعنی ”بیواؤں اور مسکینوں (کی خدمت و پرورش) کے لیے کوشش کرنے والا (نیکی و ثواب کے اعتبار سے) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات بھر نماز میں کھڑا رہنے والے اور دن کو (مستقل) روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔“ ایک اور روایت حضرت صفوان بن سُلیمؓ سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ“۔ (۵۱) یعنی ”بیواؤں اور مسکینوں کی حاجتوں میں سعی کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے یا اس شخص کی مانند ہے جو دن میں روزہ رکھے اور رات بھر (نماز میں) قیام کرے۔“ ان ارشادات پر غور کرنے سے بیواؤں اور مسکینوں کے تئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور ہمدردی کا اندازہ ہوتا ہے۔

بیوہ اور مطلقہ عورتوں کو اسلام نے ایک اور حق دیا ہے جس کا تصور ہمارے برادران وطن کے کئی معاشرتی طبقوں میں نہیں تھا، وہ ہے دوسری شادی کرنے کا حق (Right to

(۵۰) صحيح البخاريؒ، كتاب النَّفَقَاتِ، بابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ، حدیث نمبر ۵۳۵۳

(۵۱) سنن الترمذيؒ، كتاب البرّ و الصّلة، باب مَا جَآءَ فِي السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ، حدیث نمبر ۱۹۶۹

(Remarriage)۔عورت خواہ کتنی ہی کم عمری میں بیوہ کیوں نہ ہو جائے، اسے دوسری شادی کا حق نہیں تھا۔ کچھ یہی صورت حال مطلقہ عورتوں کی بھی تھی۔ اس رسم بد کے نتیجے میں ایسی عورتوں کی زندگی دوبھر ہوجاتی تھی۔ ان میں کچھ تو آشرموں کا سہارا لیتی تھیں، بہت ساری بھیک مانگ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی تھیں، اور بہت سی طوائف خانوں کی نذر ہوجاتی تھیں ۔ ان کی حالت زار کو دیکھ کر سب سے پہلے پنڈت ایشور چندر ودیاساگر (۱۸۲۰ء-۱۸۹۱ء) نے بنگال میں بیواؤں کی شادی کی تحریک چلائی اور ان کی کوششوں سے ۱۸۵۶ء میں انگریز حکومت نے ہندو بیوہ عقد ثانی ایکٹ (The Hindu Widows' Remarriage Act, 1856) پاس کر کے اس غیر انسانی اور غیر فطری رویہ پر لگام لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اس قانون کے نفاذ سے تقریباً پونے دوصدی بیت جانے کے بعد بھی بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی دوسری شادی کے تعلق سے ہندو سماج کی سوچ میں بہت بدلاؤ نہیں آیا ہے۔ ہندوستان کی عدالت عالیہ نے جولائی ۲۰۱۷ء میں مرکزی حکومت کو یہ حکم جاری کیا کہ وہ بیواؤں کی شادی کو فروغ دینے کے لیے ایک پالیسی مرتب کرے۔ اس سے متاثر ہو کر بعض صوبائی حکومتوں نے بیواؤں کی شادی کو فروغ دینے کے لیے مالی تعاون دینے کا اعلان بھی کیا۔ ٹائمس آف انڈیا کے ویب سائٹ پر ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو شائع شدہ انکُر سیروتھیا کی ایک رپورٹ کے مطابق مدھیہ پردیش کی حکومت نے جہاں بیواؤں کی تعداد اس وقت ۲۰ لاکھ سے بھی زیادہ تھی، ۴۵ سال سے کم عمر کی بیوہ سے شادی کرنے والوں کو دولاکھ روپے کی مدد دینے کا اعلان کیا۔ نیو انڈین ایکسپریس کی ویب سائٹ پر ۷؍مارچ ۲۰۲۴ء کو شائع شدہ مکیش رنجن کی ایک رپورٹ کے مطابق جھارکھنڈ حکومت نے بھی بیوہ کی شادی پر اتنا ہی رقم کا عطیہ دینے کا اعلان کیا اور فوٹو نیوز ڈاٹ کام پر ۲۰؍فروری ۲۰۲۵ء کو شائع شدہ مجتبیٰ حیدر رضوی کی ایک رپورٹ کے مطابق جھارکھنڈ حکومت نے اس اسکیم ''ودھوا پنر ویواہ پروتساہن یوجنا'' (Vidhwa Punarvivah Protsahan

Yojana) پر عمل درآمد کرنا شروع بھی کر دیا ہے۔ اسی طرح اتر پردیش کی حکومت بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی شادی کے لیے وزیر اعلیٰ اجتماعی شادی اسکیم (Mukhyamantri Samoohik Vivaah Yojana) چلا رہی ہے جس میں ہر جوڑے کو ۳۵؍ہزار روپے بینک کھاتے میں اور ۱۰؍ہزار روپے لاگت تک کی کچھ ضروری گھریلو اشیاء فراہم کی جارہی ہیں، ساتھ ہی شادی کی تقریب پر مبلغ ۶؍ہزار روپے رقم خرچ کرنے کا سرکاری انتظام ہے۔ کچھ دوسری صوبائی حکومتوں نے بھی اس سلسلے میں اقدامات کیے ہیں لیکن ان سب کے یہ اقدامات بھی بہت کارگر ثابت نہیں ہو رہے ہیں کیوں کہ لوگوں نے اس مسئلہ کو غلط طریقہ سے دھرم (مذہب) سے جوڑ رکھا ہے اور آج بھی ایسی شادیوں کو سماجی قبولیت (Social Acceptance) حاصل نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیواؤں کی تعداد اس ملک میں بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔ لندن واقع لومبا فاؤنڈیشن (Loomba Foundation) جو بیواؤں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر کام کر رہی ہے، کے ذریعے ۲۰۱۵ء میں جاری گلوبل رپورٹ بیوگان (The Global Widows Report 2015) کے مطابق ہندوستان اس وقت بیواؤں کی آبادی کے اعتبار سے عالمی درجہ بندی میں سرفہرست ہے اور یہاں بیواؤں کی تعداد ۲۰۱۵ء میں ۴؍کروڑ، ۶۴؍لاکھ، ۵۷؍ہزار، ۵۱۶ تھی جو کہ اسی ادارے کی ۲۰۱۰ء کی رپورٹ میں ۴؍کروڑ، ۲۳؍لاکھ، ۹۵؍ہزار، ۶۹۳ تھی جب ہندوستان دوسرے نمبر پر تھا۔ اس ادارے کے ۲۰۱۵ء کی عالمی درجہ بندی میں ۴؍کروڑ، ۴۵؍لاکھ، ۹۰؍ہزار، ۵۶۰ بیواؤں کی تعداد کے ساتھ چین دوسرے مقام پر تھا جو کہ اسی ادارے کی ۲۰۱۰ء کی رپورٹ کی درجہ بندی میں ۴؍کروڑ، ۳۰؍لاکھ، ۴۴؍ہزار، ۹۴۳ کی تعداد سے اول نمبر پر تھا۔ گویا کہ اس میدان میں ہم نے چین کو دس سال قبل ہی شکست دے دی ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ء میں بیواؤں کی کل عالمی آبادی ۲۵؍کروڑ، ۸۴؍لاکھ، ۸۱؍ہزار ۵۶

تھی جب کہ ۲۰۱۰ء کے رپورٹ میں یہ تعداد ۲۳ / کروڑ، ۱۷ / لاکھ، ۱۳ / ہزار، ۷۶۰ تھی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہندوستان میں بیواؤں کی تعداد ۲۰۱۵ء میں دنیا کی کل بیوہ آبادی کا ۱۷ء۹۷ / فی صد اور ۲۰۱۰ء میں ۱۷ء۸۸ / فی صد تھی۔ اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا کی کل بیوہ آبادی کا ۱۴ء۸۰ / فی صد یعنی ۳ / کروڑ، ۸۲ / لاکھ، ۶۱ / ہزار، ۳۴۵ بیوائیں شدید غربت کی زندگی گزار رہی ہیں اور انھیں سماجی علاحدگی (Social Segregation)، ایذارسانی (Harassment) اور مالی و جنسی استحصال (Economic & Sexual Exploitations) کا سامنا ہے۔ ذہن نشیں رہے کہ یہ اعداد و شمار ۲۰۱۵ء کی رپورٹ کے مطابق ہیں اور اس کے بعد کوئی تازہ سروے رپورٹ سامنے نہیں آئی ہے۔ اس لیے پچھلے دس سالوں میں ان اعداد و شمار میں جو اضافہ ہوا ہوگا، اسے صرف قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے اتنی بڑی تعداد کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنا اور انھیں عزت بخش زندگی فراہم کرنا ملکی حکومتوں کے بس میں نہیں ہے۔ اس مسئلے کا بہترین حل بیواؤں کی دوسری شادی اور مردوں کی ایک سے زیادہ شادی (Poligamy) ہی ہوسکتا ہے جس کے لیے سماجی سطح پر لوگوں کے اندازِ فکر میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔

اب اس سلسلے میں اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اسلام ایک فطری نظام حیات ہے اور اس کے قوانین میں بنی نوع انساں کے تمام تر تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے جس میں سماجی، اقتصادی حتیٰ کہ جنسی تقاضے بھی شامل ہیں۔ اس لیے اس میں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے کہ کوئی بھی مرد یا عورت تفردکی زندگی گزارے کیوں کہ اس سے سماج میں کئی طرح کے مفاسد کے پیدا ہونے کا خطرہ بنا رہتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تم میں جو بھی بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردیا کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ط إِن يَّكُوْنُوْا

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾۔ (۵۲) (ترجمہ): ’’تم میں سے جو مرد و عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردیا کرو اور تمھارے غلام اور باندیوں میں جو نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کا بھی، اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔‘‘ اَلْأَيَامٰى کا مطلب ہوتا ہے بغیر بیوی والے مرد یا بغیر شوہر والی عورتیں جیسا کہ صاحب انوار البیان فی حل لغات القرآن نے لکھا ہے لیکن صاحب مفردات القرآن نے اس سے بیوہ (رانڈ) عورتیں اور رنڈوے مرد ہی مراد لیا ہے۔ تو اگر پہلا معنی اختیار کیا جائے جب بھی بیوہ عورتیں اور رنڈوے مرد اس میں شامل ہوں گے، اگر دوسرے معنی کو لیا جائے تو ان کے نکاح کے سلسلے میں اور بھی تاکید کا پہلو شامل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح مطلقہ عورتوں کے سلسلے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَّنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ط ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط ذٰلِكُمْ أَزْكٰى لَكُمْ وَأَطْهَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔ (۵۳) (ترجمہ): ’’جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انھیں اپنے (تجویز کردہ) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور شرعی کے مطابق رضامند ہوں، یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، یہ تمھارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ طریقہ ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

قرآن کریم کے ان احکام ہی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی دوسری شادی کی نہ صرف حمایت کی بلکہ انھیں اختیار بھی دیا ہے کہ وہ اپنی پسند

(۵۲) القرآن الکریم، سورۃ النور: ۳۲

(۵۳) القرآن الکریم، سورۃ البقرہ: ۲۳۲

سے دوسرا نکاح احسن طریقے پر کرسکتی ہیں جیسا کہ اس سے متعلق روایت پہلے گزر چکی ہے۔ خود آپ ؐ نے ایک (بی بی عائشہ صدیقہؓ) کے علاوہ تمام نکاح بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے ہی کیے تا کہ لوگوں کو اس کی ترغیب ہو۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندو تہذیب کے اثرات کو اس درجہ قبول کرلیا ہے کہ یہاں مسلم معاشرے میں بھی بیوہ کی شادی ایک مسئلہ ہے اور مرد دوسری شادی کا تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ خواہ کتنا ہی بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی کیوں نہ ہو، اگر اس نے دوسری شادی کرلی گرچہ بیوہ اور یتیم سے ہی کیوں نہ کی ہو، تو لوگ اس کی ساری دین داری پر پانی پھیر دیتے ہیں اور اس کو سماج میں رسوا کرکے رکھ دیتے ہیں۔ راقم کو ایک ایسی خبر ملی کہ ایک مسجد کے امام صاحب نے دوسری شادی کرلی تو لوگوں نے انھیں امامت کے منصب سے ہی برطرف کردیا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی دی ہوئی اجازت کے باوجود یہاں کے مسلمان کس قسم کی سوچ رکھتے ہیں؟ گو بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی حالت مسلم معاشرے میں آج بھی ہندو معاشرے سے بہت بہتر ہے لیکن یہاں بھی اصلاحات کی سخت ضرورت ہے جس پر علمائے کرام اور مصلحین حضرات کو توجہ دینی چاہیے۔

جو بیوہ عورت اپنی زندگی کی جنگ خود لڑنا چاہتی ہے اور اپنے بچوں کی پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہیں کرنا چاہتی، اسلام نے اسے بھی آزادی دی ہے کہ وہ ایسا کرسکتی ہے اور اس سلسلے میں اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا اور ایسی عورتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' یعنی ''میں اور وہ عورت کہ جس کے رخسار (اپنی اولاد کی پرورش و دیکھ بھال کی محنت و مشقت اور ترک زینت وآرائش کی وجہ سے) سیاہ پڑ گئے ہوں، قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔'' اس حدیث کے ایک راوی یزید بن زُرَیع نے یہ الفاظ بیان کرنے کے بعد اپنی درمیانی انگلی اور انگشت شہادت کو ملاتے ہوئے اشارہ کیا۔ اور سیاہ رخساروں والی عورت کی تشریح کرتے

ہوئے بتایا: ''إِمْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلٰى يَتَامَاهَا حَتّٰى بَانُوا أَوْ مَاتُوا'' ۔(۵۴) یعنی اس سے مراد ''وہ صاحب منصب (معزز) اور حسین وجمیل عورت ہے جس کا شوہر وفات پا گیا اور اس نے اپنے یتیم بچوں کی (حفاظت، پرورش اور بھلائی کی) خاطر اپنے نفس کو روکے رکھا (یعنی باوجود عزت وخوبصورتی کے دوسرا نکاح نہیں کیا جب کہ اس کا نکاح ہوسکتا تھا اور اسی لیے زیب وزینت کی نوبت نہیں آئی) یہاں تک کہ وہ بچے (بڑے ہوکر) اس سے جدا ہوگئے (یعنی اس کے محتاج نہ رہے) یا وفات پاگئے۔'' ظاہر ہے اس بشارت کی مستحق وہ عورت بھی ہوگی جسے طلاق دے دی گئی اور نکاح کے عوامل کے موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی خاطر اس نے دوسرا نکاح نہیں کیا، گویا اپنی زندگی کو ان بچوں کے لیے ہی وقف کردیا۔

☆☆☆☆☆

(۵۴) سنن أبي داوُدؒ، كتاب الأدب، باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامٰى (يتيمًا)، حدیث نمبر ۵۱۴۹، بروایت عوف بن مالک اشجعیؓ

عورت بحیثیت بیٹی و بہن

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی اور بہن کو بھی اسلامی معاشرہ میں عزت کا مقام عطا فرمایا۔ آپؐ جس معاشرے میں پیدا ہوئے اس میں عورتوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ لڑکیوں کو سماج میں ایک بوجھ تصور کیا جاتا تھا اور انھیں انتہائی ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کا وجود ہی عرب معاشرے میں باعث ننگ و عار بن کر رہ گیا تھا۔ ان سب کے پیچھے یہ سوچ کارفرما تھی کہ بیٹے تو بڑے ہوکر اسباب معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے لیکن بیٹیوں کو ان کے جوان ہونے تک پالنا پڑے گا اور پھر انھیں بیاہ دینا ہوگا۔ نیز بیٹے بڑے ہوکر قبائلی جنگوں میں جو اس زمانے کی عرب سوسائٹی میں عام تھیں، اپنے قبیلے کے دفاع میں کھڑے ہوں گے جب کہ لڑکیوں کی انھیں حفاظت کرنا پڑے گی۔ اس دور میں دستور یہ تھا کہ قبائل جب ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے تھے تو جو لڑکیاں ان کے ہاتھ لگ جاتیں، انھیں اٹھالے جاتے تھے اور انھیں یا تو لونڈی بنا کر رکھتے تھے یا کسی کے ہاتھ فروخت کردیتے تھے۔ یہ ان کے متعلقین کے لیے بڑی رسوائی کا سبب ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں عرب اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ کوئی ان کا داماد کہلائے۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے گھر میں لڑکی پیدا ہو جو ان کی رسوائی کا سبب بنے۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر سے ہی ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی تھی۔ جس شخص کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی وہ ذلت و رسوائی کے خوف سے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا اور اس تذبذب میں پڑ جاتا تھا کہ آیا ذلت گوارا کرکے اس کو زندہ رکھے یا مار کر اس سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ اس کیفیت کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ٥ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط أَيُمْسِكُهُ عَلٰى

هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ط أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ٥﴾۔(۵۵) (ترجمہ): ''جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو (رنج و غم کے سبب) اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔ قوم سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی کے (ننگ و عار کے) سبب جس کی خوشخبری اسے دی گئی، (پھر سوچنے لگتا ہے) آیا اس کو ذلت گوارا کر کے ساتھ رکھے یا اس کو مٹی میں دفن کردے۔ یاد رکھو! نہایت برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔''

چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب اپنی بیٹیوں کو بڑے ہی سفاکانہ اور وحشیانہ طریقے پر زندہ دفن کردیتے تھے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں بھی اس سلسلے کی روایات موجود ہیں۔ امام دارمیؒ نے اپنی سنن کے پہلے ہی باب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے ایام جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی، جب وہ بات سمجھنے لگی اور میری پکار پر خوش ہونے لگی تو ایک دن میں نے اسے بلایا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلنے لگی، میں چلتے ہوئے اپنے ایک عزیز کے کنویں کے پاس آیا جو میرے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کنویں میں گرا دیا۔ اس کے آخری الفاظ یہی تھے: ''يَا أَبَتَاهُ! يَا أَبَتَاهُ!'' ''اے ابا جان! اے ابا جان!'' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور آپؐ کے آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے اس شخص سے کہا کہ تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مت روکو، وہ اسی چیز کے متعلق سوال کررہا ہے جس کے بارے میں بہت فکرمند ہے۔ پھر آپؐ نے اسے وہ واقعہ دوبارہ بیان کرنے کو کہا اور اس نے دوبارہ اسے بیان کیا جسے سن کر آپؐ اس قدر روئے کہ آپؐ کی داڑھی آنسوؤں سے تر

---

(۵۵) القرآن الکریم، سورۃ النحل: ۵۸–۵۹

ہوگئی۔ پھر آپؐ نے اس سے فرمایا: ’’إِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَضَعَ عَنِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا عَمِلُوْا، فَاسْتَأْنِفْ عَمَلَكَ‘‘ ۔(٥٦) یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دورِ جاہلیت کے تمام کاموں کو (اسلام لانے کے بعد) معاف کر دیا ہے، اس لیے اب تم نئے سرے سے عمل کا آغاز کرو۔

اسی سلسلے کی ایک روایت امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ نے ’’المعجم الكبير‘‘ میں حضرت عمرؓ سے نقل کی ہے کہ قیس بن عاصمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ بچیوں کو زندہ دفن کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ’’ہر ایک کی طرف سے ایک گردن (یعنی غلام یا باندی) آزاد کرو۔‘‘ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو اونٹوں والا ہوں (یعنی ان کے بارے میں کوئی حکم دیجیے)، تو آپؐ نے فرمایا: ’’ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کرو۔‘‘(٥٧)

غور کیجیے کہ ایسے ماحول میں جب کہ لڑکیاں انتہائی ذلت آمیز سلوک کا شکار ہو رہی تھیں، انھیں زندہ دفن کیا جا رہا تھا، نہ ماں باپ کو اس فعل قبیح پر کچھ شرم آتی تھی، نہ خاندان میں کوئی اس پر گرفت کرنے والا تھا، اور نہ ہی معاشرے میں کوئی ان کے لیے آواز بلند کرنے والا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کا دفاع کیا اور ان سے نفرت نہ کرنے کی عربوں کو تعلیم دی۔ آپؐ کا یہ قول حدیث کی کتابوں میں درج ہے: ’’لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ، فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ‘‘ ۔(٥٨) یعنی ’’اپنی بیٹیوں کو ناپسند نہ کرو اس لیے کہ وہ انس و محبت

(٥٦) مسند الدّارمي المعروف به سنن الدّارميؒ، مقدمة، باب مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّاسُ قَبْلَ مَبْعَثِ النَّبِي ﷺ مِنَ الْجَهْلِ وَالضَّلَالَةِ، حدیث نمبر ٢ (٥٧) المعجم الكبير للطبرانيؒ، الجزء الثامن عشر، حدیث نمبر ٨٦٣، نیز السُّنَنُ الكُبرىٰ للإمام البيهقيؒ، حدیث نمبر ١٦٤٢٤

(٥٨) مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مكتبة دار السلام للنّشر والتّوزيع، الرياض، الطبعة الأولى ٢٠١٣م، حدیث نمبر ١٧٣٧٣، بروایت حضرت عقبہ بن عامرؓ، نیز دیکھیں سلسلة الأحاديث الصّحيحة للإمام محمد ناصر الدين الألبانيؒ، حدیث نمبر ٣٢٠٦، المعجم الكبير للطبرانيؒ، الجزء ١٧، حدیث نمبر ٨٥٦

کرنے والی اور بہت قیمتی ہوتی ہیں۔‘‘

اللہ رب العزت کا بھی حکم آیا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ط إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا﴾ ۔(٥٩) (ترجمہ): ’’اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی، بلاشبہ ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔‘‘ روز حساب اس جرم کی باز پرس کا نقشہ قرآن کریم میں یوں کھینچا گیا: ﴿وَإِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ ہ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ ۔(٦٠) (ترجمہ): ’’جب زندہ در گور کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی۔‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے مسلمان عورتوں کے لیے من جملہ دیگر شرائط کے یہ شرط لگائی گئی: ﴿وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾ ۔(٦١) یعنی وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے ان احکام کو عوام الناس تک پہنچایا۔ آپؐ نے نہ صرف بیٹیوں کا دفاع کیا بلکہ ان کی پرورش و پرداخت کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر جنت کی بشارت بھی دی جو کہ اسلامی فلسفہ حیات میں سب سے بڑی کامیابی تصور کی جاتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، أَوِ ابْنَتَانِ، أَوْ أُخْتَانِ، فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ، وَاتَّقَى اللّٰهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ‘‘ ۔(٦٢) یعنی ’’جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں پھر وہ ان سے اچھا سلوک کرے اور ان (کی پرورش کرنے) میں اللہ سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے۔‘‘ دوسری روایت میں

(٥٩) القرآن الكريم، سورة بني إسرائيل: ٣١

(٦٠) القرآن الكريم، سورة التكوير: ٨-٩ (٦١) القرآن الكريم، سورة الممتحنة: ١٢

(٦٢) سنن الترمذيؒ، كتابُ الْبِرِّ وَ الصِّلَةِ، بابُ مَاجَآءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ، حدیث نمبر ١٩١٦

ہے کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ''۔ (۲۳) یعنی ''جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انھیں ادب سکھایا اور ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔'' ایک روایت حضرت انس بن مالک ؓ سے ہے جس میں دولڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو بھی بروز قیامت اپنا قرب نصیب ہونے کی آپ ؐ نے بشارت دی ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ''۔ (۲۴) یعنی ''جس شخص نے دولڑکیوں کی ان کے بالغ ہوجانے تک پرورش کی تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح سے آئیں گے اور آپ ؐ نے اپنی انگلیوں کو باہم ملایا (یعنی میرا اور ان کا ساتھ ہوگا قیامت کے دن)۔''

ایک اور روایت جس میں لڑکیوں کے حقوق کی مزید وضاحت ہے اور جس میں تعداد کی قید بھی نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ہے جس کو امام ابوداوٗد ؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، قَالَ يَعْنِي الذُّكُورَ – أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ''۔ (۲۵) یعنی جس شخص کے پاس کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے نہ تو زندہ درگور کرے، نہ ہی اس کی اہانت کرے اور نہ (سلوک و معاملات میں) اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

حدیث کی کتابوں میں لڑکیوں کی کفالت اور پرورش کی ترغیب اور اس پر ملنے والی

(۲۳) سُنَن أبي داوُدؒ، كتاب الأَدَب، باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامٰى (يتيمًا)، حدیث نمبر ۵۱۴۷، بروایت حضرت ابوسعید الخدری ؓ

(۲۴) صحيح مسلمؒ، كتابُ الْبِرّ وَ الصِّلَةِ وَالآدَابِ، فَضْلِ الإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث نمبر ۲۶۹۵

(۲۵) سُنَن أبي داوُدؒ، كتاب الأَدَب، باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامٰى (يتيمًا)، حدیث نمبر ۵۱۴۶

جزا سے متعلق اور بھی روایات ہیں لیکن سب کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ ایک واقعہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی۔ میں نے اس کو تین کھجوریں دیں۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ تک اٹھائی ہی تھی کہ اس کی بیٹیوں نے پھر اس سے وہ کھجور بھی مانگ لی۔ اس نے اس کھجور کو جسے وہ خود کھانا چاہ رہی تھی دو ٹکڑے کرکے دونوں کو (ایک ایک ٹکڑا) دے دیا۔ مجھے اس کے اس معاملے پر بڑا تعجب ہوا (کہ خود کچھ نہیں کھایا اور سب بیٹیوں کو ہی کھلا دیا)۔ میں نے جو کچھ اس نے کیا تھا اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ؐ نے فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ''۔ (۲۶) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے سبب اس پر جنت واجب کردی یا فرمایا اسے جہنم سے آزاد کردیا۔

امام مسلمؒ نے حضرت عائشہ ؓ سے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ''۔ (۲۷) یعنی ''جس کو بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس (شخص) کے لیے جہنم سے آڑ ہوں گی۔'' امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو الفاظ کے تھوڑے فرق سے نقل کیا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ''۔ (۲۸) یعنی جو شخص کچھ بیٹیوں کے سبب آزمائش میں

(۲۶) صحيح مسلمؒ، كتابُ الْبِرّ وَ الصِّلَةِ وَالآدَابِ، فَضْلِ الإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث نمبر ۲۶۹۴

(۲۷) صحيح مسلمؒ، كتابُ الْبِرّ وَ الصِّلَةِ وَالآدَابِ، فَضْلِ الإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ، حدیث نمبر ۲۶۹۳

(۲۸) سنن الترمذيؒ، كتابُ الْبِرّ وَ الصِّلَةِ، بابُ مَاجَآءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ وَالأَخَوَاتِ، حدیث نمبر ۱۹۱۳، بروایت حضرت عائشہ ؓ

ڈالا گیا پھر اس نے ان (کی پرورش، تعلیم و تربیت اور شادی وغیرہ میں پیش آنے والی تکالیف) پر صبر کیا تو وہ (لڑکیاں) اس کے لیے دوزخ کی آگ سے آڑ ہوں گی۔

مذکورہ بالا احادیث پر غور کرنے سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کے جینے کے حق (Right to Live)، نان و نفقہ کے حق (Right to Maintenance)، اچھی تعلیم و تربیت اور پرورش پانے کے حق (Right to Education & Upbringing)، سماجی عزت و وقار کے حق (Right to Social Dignity) اور بیٹوں کے مساوی سلوک پانے کے حق (Right to Get Equal Treatment Like Sons) کو کس حکمت کے ساتھ یقینی بنانے کی کوشش اور وکالت کی ہے۔ بیٹے بیٹیوں کے درمیان سلوک، لین دین اور داد و دہش میں عدل قائم کرنے کے سلسلے میں آپؐ سے کئی اور بھی روایات ہیں۔ مثلاً آپؐ کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیرؓ نے جب اپنے ایک لڑکے کو ایک عطیہ (غلام کی شکل میں) دیا اور آپؐ کو اس پر گواہ بنانا چاہا، تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اسی جیسا عطیہ اپنی تمام اولاد کو دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا: ”فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ“۔(۶۹) یعنی ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔“

چنانچہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے اس بیٹے سے وہ ہدیہ واپس لے لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: إِنَّ عَلَيْكَ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَعْدِلَ بَيْنَ وَلَدِكَ كَمَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ أَنْ يَبَرُّوكَ“۔(۷۰) یعنی ”تیرے اوپر حق (لازم) ہے کہ تو اپنی

(۶۹) صحیح البخاریؒ، كِتَابُ الْهِبَةِ وَ فَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بابُ الْإِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ، حدیث نمبر ۲۵۸۷ (۷۰) السُّنَنُ الْكُبرىٰ للبيهقيؒ، کتابُ الْهِبَات، بابُ السُّنَّةِ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْأَوْلَادِ فِي الْعَطِيَّةِ، حدیث نمبر ۱۱۹۹۶، بروایت نعمان بن بشیرؓ

اولاد کے درمیان عدل کرے جس طرح ان پر لازم ہے کہ وہ تیرے ساتھ نیکی کریں۔“
ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي النُّحْلِ كَمَا تُحِبُّونَ أَنْ يَعْدِلُوا بَيْنَكُمْ فِي الْبِرِّ وَ اللُّطْفِ“۔(۷۱) یعنی ”اپنی اولاد کے درمیان عطیہ میں عدل کرو جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ وہ نیکی اور عنایات میں تمھارے ساتھ عدل کریں۔“

ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹیوں کی طرف ہی جھکاؤ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں: ”سَوُّوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ، فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ“۔(۷۲) یعنی ”اپنی اولاد کے درمیان عطیہ میں برابری کرو، اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو فضیلت دیتا۔“ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گو اسلامی تعلیم تو یہی ہے کہ اپنے بال بچوں کے درمیان عطایا وغیرہ میں عدل و انصاف کو قائم رکھا جائے لیکن اگر کسی بھی وجہ سے ترجیح دینا روا ہوتا تو آپؐ اسے بیٹیوں کے حق میں ہی پسند فرماتے۔ غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات اس دور کی ہیں جب بیٹے بیٹیوں کے درمیان مساوات (Equality) کا سماج میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔

اسی طرح اسلام نے بیٹیوں کو وراثت میں اس وقت حصہ دیا جب وراثت میں ان کے حصے کا کوئی تصور ہی سماج میں نہیں تھا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں تو ہندو عورتوں کو یہ حق ۱۹۳۷ء کے ”ہندو ویمنس رائٹ ٹو پراپرٹی ایکٹ“ (The Hindu Women's

(۷۱) السُّنَنُ الْكُبرىٰ للبيهقيؒ، کتابُ الْهِبَات، بابُ مَا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلٰى أَنَّ أَمْرَهُ بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمْ فِي الْعَطِيَّةِ عَلَى الْإِخْتِيَارِ دُونَ الْإِيْجَابِ، حدیث نمبر ۱۲۰۰۳، بروایت نعمان بن بشیرؓ
(۷۲) السُّنَنُ الْكُبرىٰ للبيهقيؒ، کتابُ الْهِبَات، بابُ السُّنَّةِ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْأَوْلَادِ فِي الْعَطِيَّةِ، حدیث نمبر ۱۲۰۰۰

(Right to Property Act, 1937 کے ذریعہ ملا۔ اس ایکٹ میں بھی بہت سی خامیاں تھیں جن کی اصلاح پہلے تو ۱۹۵۶ء کے ''دی ہندو سکسیشن ایکٹ'' (The Hindu Succession Act, 1956) اور اس کے بعد ۲۰۰۵ء کے ''ہندو سکسیشن ایمنڈمنٹ ایکٹ'' (Hindu Succession Amendment Act, 2005) کے ذریعے کی گئی لیکن آج بھی ہندو معاشرہ اپنی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ ٹھیک یہی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۵۷۱ء-۶۳۲ء) کے دور کی عرب سوسائٹی کی تھی۔ عرب یہ سمجھتے تھے کہ وراثت پانے کا حق صرف بیٹوں کو ہے کیوں کہ وہی ہتھیار بند ہو کر بیرونی حملوں کے وقت خاندان اور قبیلے کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت نے بیٹیوں کی وراثت کے حق میں آپؐ پر یہ عمومی آیت نازل فرمادی: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا﴾۔(۷۳) (ترجمہ): ''مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریب ترین رشتے داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریب ترین رشتے داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصے (اللہ کی طرف سے) مقرر ہیں۔'' اتنا ہی نہیں قرآن کریم نے مختلف حالتوں (Conditions) کی نشاندہی کے ساتھ بیوی، بیٹی، بہن، اور ماں کے وراثتی حصے کو چند دوسری آیتوں میں بالکل واضح کر دیا۔

چنانچہ بیٹی کے وراثتی حصے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط﴾۔(۷۴) (ترجمہ): ''اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر

---

(۷۳) القرآن الکریم، سورۃ النسآء: ۷ (۷۴) القرآن الکریم، سورۃ النسآء: ۱۱

ہے، پھر اگر صرف عورتیں ہی (دو یا) دو سے زیادہ ہوں، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا دو تہائی حصہ ان کا حق ہے، اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اس کے لیے ترکے کا آدھا حصہ ہے۔''

لڑکا نہ ہونے کی صورت میں میت کے ترکے میں دو سے زائد بیٹیوں کا حق قرآن کریم میں دو تہائی حصہ بتایا گیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں دو بیٹیوں کے حق میں بھی دو تہائی حصے کا ہی فیصلہ فرمایا ہے۔ یہ فیصلہ آپؐ نے حضرت سعد بن ربیعؓ کی دو بیٹیوں کے حق میں دیا جب جنگ احد میں ان کی شہادت کے بعد ان کی اہلیہ اپنی بیٹیوں کے حق وراثت کے مسئلے کو لے کر آپؐ کے پاس پہنچیں اور اپنے دیور کی یہ شکایت کی کہ اس نے ان کے شوہر کا کل متروکہ مال بطور میراث لے لیا ہے اور ان بچیوں کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ آپؐ نے ان کے دیور سے فرمایا: ''أَعْطِهِمَا الثُّلُثَيْنِ، وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَلَكَ''۔(۷۵) یعنی دو تہائی مال انھیں دے دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور جو انھیں دینے کے بعد بچا رہے وہ تمھارا ہے۔ واضح ہو کہ اس روایت میں لڑکیوں کے والد کا نام ثابتؓ بن قیس نقل ہوا ہے لیکن امام ابوداؤدؒ نے یہ لکھا ہے کہ اس میں بشر بن مفضل راوی نے غلطی کی ہے، یہ دونوں بیٹیاں حضرت سعد بن ربیعؓ کی تھیں، حضرت ثابتؓ بن قیس تو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اگر میت (خواہ مرد ہو یا عورت) کلالہ ہو یعنی اس کے اصول و فروع میں سے کوئی نہ ہو جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ کوئی اولاد چھوڑی ہو نہ اولاد کی اولاد، اور نہ زندہ ماں باپ یا دادا تو ایسی صورت میں قرآن کریم نے اس کے بھائی بہن کے وراثتی حصے کو یوں بیان کیا ہے:

---

(۷۵) سنن أبي داوُدؒ، کتاب الفرائض، باب مَا جَاءَ فِي مِيْرَاثِ الصُّلْبِ، حدیث نمبر ۲۸۹۱، بروایت حضرت جابر بن عبداللہؓ

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾۔(۷٦)

(ترجمہ):''اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث تقسیم ہونی ہے جس کے نہ والد زندہ ہوں اور نہ کوئی اولاد ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کے ذریعے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو، یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا بردبار ہے۔''

فقہاء اور مفسرین کی رائے میں یہ حکم اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن کا ہے۔ کلالہ کی صورت میں حقیقی بھائی بہنوں یا علاتی یعنی باپ شریک بھائی بہنوں کا حصہ سورۃ النساء کی آخری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَآ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ط وَإِنْ كَانُوْٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾۔(۷۷) (ترجمہ):''لوگ آپ سے (کلالہ کا حکم) دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی، اور اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا

(۷٦) القرآن الكريم، سورة النسآء:۱۲ (۷۷) القرآن الكريم، سورة النسآء:۱۷٦

وارث ہوگا، اور اگر (میت کی) دو بہنیں ہوں تو بھائی کے ترکے میں سے وہ دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور اگر بھائی بہن میں کچھ مرد بھی ہوں اور کچھ عورتیں بھی، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمھارے سامنے (احکام کی) وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔''

بیوی کے حق وراثت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ط﴾۔(۷۸)

(ترجمہ):''اور ان (بیویوں) کے لیے چوتھائی حصہ ہے اس میں سے جو کچھ تم چھوڑ کر جاؤ بشرطیکہ تمھاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو، اور اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے تمھارے ترکے کا آٹھواں حصہ ہے اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، یا تمھارے قرض کی ادائیگی کے بعد۔''

اسی طرح ماں باپ کے حق وراثت کے سلسلے میں یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ط﴾۔(۷۹) (ترجمہ):''اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکے کا چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حقدار ہے۔ ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کا حق چھٹا حصہ ہے (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔''

(۷۸) القرآن الكريم، سورة النسآء:۱۲ (۷۹) القرآن الكريم، سورة النسآء:۱۱

جیسا کہ یہ عرض کیا گیا کہ تقسیمِ میراث کے یہ سارے احکام اللہ رب العزت کے مقرر کردہ ہیں اور تاکیدی نوعیت کے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان احکام کو اپنے معاشرے میں سختی سے نافذ کیا اور اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی: "أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا"۔ (۸۰) یعنی "فرائض کو ان کے اہل تک پہنچاؤ۔"

شریعت کی اصطلاح میں وراثتی حقوق کو فرائض کہا جاتا ہے اور اس سے متعلق علم کو علم الفرائض کہتے ہیں جسے سیکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب بھی دی ہے تا کہ لوگ ایک دوسرے کے وراثتی حقوق کو سمجھ سکیں اور ان کی ادائیگی میں کسی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام مذکورہ حدیث میں یہ ہے کہ مال وراثت جس کی بھی تحویل میں ہو، اس کی یہ ذمے داری ہے کہ وارثین کی تحقیق کر کے ان تک ان کا حق پہنچا دے۔ اس حکم میں بیٹیوں کے حق وراثت کا تحفظ بھی شامل ہے تاہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کمزور طبقوں یعنی یتیموں اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں خصوصی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد ہے: "إِنِّي أُحَرِّجُ عَلَيْكُمْ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ ؛ الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ"۔ (۸۱) یعنی "میں تم پر دو کمزوروں کی حق تلفی کرنا حرام ٹھہراتا ہوں؛ ایک یتیم اور دوسرے عورت۔"

امام محمد بن حبانؒ نے اس حدیث کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں یہ ہے کہ آپ ؐ منبر پر (یعنی خطبے میں) یہ ارشاد فرماتے تھے: "أُحَرِّجُ مَالَ

(۸۰) صحیح البخاریؒ، کتاب الفَرَائِضِ، باب مِيرَاثِ الْوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ، حدیث نمبر ۶۷۳۲، بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ

(۸۱) السُّنَنُ الكُبرىٰ للبيهقيؒ، کتاب آداب القاضی، باب إِنْصَافِ الْقَاضِي فِي الْحُكْمِ وَمَا يَجِبُ عَلَيْهِ مِنَ الْعَدْلِ فِيهِ لِمَا فِي الظُّلْمِ مِنْ عَظِيمِ الْوِزْرِ وَ كَبِيرِ الْإِثْمِ، حدیث نمبر ۲۰۴۵۲، بروایت حضرت ابوہریرہؓ

الضَّعِيفَيْنِ: الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ"۔ (۸۲) یعنی "میں دو کمزوروں؛ یتیم اور عورت کے مال کو ممنوع و حرام قرار دیتا ہوں۔"

گو حق تلفی تو کسی کی بھی جائز نہیں اور نہ ہی کسی کے مال میں بے جا تصرف جائز ہے لیکن عورتوں اور یتیموں کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن ارشادات نے اُن کی حق تلفی اور اُن کے مال میں ناحق تصرف کو مزید سخت بنا دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اُن کے معاملات میں سخت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ نیز اِن ارشادات سے اُن کمزور طبقوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں آپ ؐ کی فکرمندی (Concern) کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے قریبی رشتے دار عورتوں کو وراثتی حقوق سے محروم رکھتا ہے جیسا کہ آج بھی بعض ناعاقبت اندیشوں کا رویہ دیکھا جاتا ہے، تو عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شرعی عدالت سے رجوع کر کے اپنے حقوق کی بازیابی کو یقینی بنائیں اور اگر وہ کسی بھی مجبوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے باز آجاتی ہیں، تو بروز حساب اللہ تعالیٰ انھیں ان کا حق اپنے ضابطے کے مطابق ضرور دلوائے گا اور ان کی حق تلفی کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکے گا۔

یہاں ایک اشکال کو رفع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے وراثت کی تقسیم میں عورتوں کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ کیوں دیا ہے؟ کیا یہ مساوات کے اصول کے خلاف نہیں ہے کہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ دیا جائے؟ مخالفین اسلام اور مغرب زدہ آزاد خیال افراد اسی نکتے کو بنیاد بنا کر اسلام کے وراثتی نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ اشکال دراصل اسلام کے خاندانی نظام اور قانون نفقہ و کفالت کو پوری طرح نہیں سمجھنے کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اسلامی خاندانی نظام میں خاندان کی معاشی کفالت کی تمام تر

(۸۲) الإحسان في تقريب صحيح ابن حبّانؒ، كتاب الحَظْرِ وَ الإِبَاحَةِ، باب ذِكْرِ الزَّجْرِ عَنْ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ، حدیث نمبر ۵۵۶۵، بروایت حضرت ابوہریرہؓ

ذمے داری مرد پر ڈالی گئی ہے، صنف نازک کو ایسی تمام ذمے داریوں سے آزاد رکھا گیا ہے خواہ وہ ماں، بہن، بیٹی یا بیوی کسی حیثیت میں ہو۔ بالغ ہونے اور کسب معاش کی صلاحیت حاصل ہو جانے کے بعد سے ہی لڑکا خود اپنے اخراجات کا ذمے دار گردانا گیا ہے، باپ شرعی طور پر اس کے نفقہ کا مکلّف نہیں ہے، جب کہ لڑکی کا نفقہ اس کے باپ پر یا باپ کی عدم موجودگی میں اس کے بھائی پر اس کی بلوغیت کے بعد بھی تب تک واجب رہتا ہے جب تک اس کا نکاح نہ ہو جائے اور نکاح ہوتے ہی وہ شوہر کی کفالت میں آجاتی ہے۔ اگر وہ بیوہ ہو جائے یا اسے طلاق ہو جائے تو اس کے نفقہ کی ذمے داری بالغ بیٹے ورنہ پھر باپ یا بھائی پر آتی ہے۔ بعض مخصوص اور مجبوری کی صورت حال ہی ایسی پیش آسکتی ہے جس میں لڑکی کو اپنے نفقہ کی فکر خود کرنی پڑے ورنہ عام حالات میں وہ اپنے نفقہ کی فکر سے بھی آزاد رکھی گئی ہے۔ اس طرح ترکہ یا مہر کی شکل میں اسے جو کچھ بھی مال دستیاب ہوتا ہے، وہ اس کی ملکیت میں پوری طرح محفوظ رہتا ہے کیوں کہ اس پر کسی کی بھی کفالت کی ذمے داری نہیں ہے۔ نیز اگر وہ اپنے مال کو تجارت میں لگائے تو اس سے حاصل شدہ آمدنی یا دیگر حلال ذرائع مثلاً دستکاری، کاشت کاری، ملازمت وغیرہ سے حاصل شدہ مال کی بھی وہ آزاد مالک ہے، اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

دوسری طرف لڑکے کو اپنے نکاح میں بیوی کا مہر بھی ادا کرنا ہوتا ہے اور اس کے نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام بھی، پھر اس کے بعد بچوں کی کفالت اور تعلیم وتربیت کی ذمے داری بھی اس کے اوپر عائد ہو جاتی ہے۔ ان سب کے علاوہ والد کے انتقال کی صورت میں خاندان کے دوسرے افراد مثلاً نابالغ بھائی بہن اور ایسی بالغ بہن جو غیر شادی شدہ ہو، یا بیوہ یا مطلقہ ہو اور اس کی کوئی بالغ اولاد کسب معاش کی صلاحیت رکھنے والی نہ ہو، کی کفالت کی ذمے داری بھی لڑکے کے اوپر آجاتی ہے۔ ان زائد ذمے داریوں کی وجہ سے مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ دیا گیا ہے نہ کہ صنفی برتری کی بنیاد پر۔ اس کے باوجود اگر آپ نتیجے کے اعتبار

سے جائزہ لیں تو یہی پائیں گے کہ لڑکے مالی اعتبار سے لڑکیوں کے مقابلے خسارے میں ہوتے ہیں۔

اس بات کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک شخص نے اپنے ترکہ میں تین لاکھ رقم چھوڑی اور وارثین میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی کو چھوڑا۔ تقسیم وراثت کے اصول کے مطابق دو لاکھ روپیہ لڑکے کو اور ایک لاکھ روپیہ لڑکی کو ملا۔ اس کے بعد دونوں کی شادی ہوتی ہے تو لڑکے کو اپنی اہلیہ کو ایک لاکھ روپیہ مہر کے طور پر دینا پڑتا ہے اور لڑکی کو اس کے شوہر کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ مہر کی شکل میں ملتا ہے۔ اس طرح لڑکی کی کل رقم مہر کے ساتھ مل کر دو لاکھ روپے ہو گئی جب کہ مہر کی ادائیگی کے بعد لڑکے کے پاس صرف ایک لاکھ روپے رہ گئے۔ اس طرح دونوں کی شادی ہوتے ہی معاملہ بالکل برعکس ہو گیا، لڑکا جسے دو حصہ ملا تھا وہ صرف ایک حصے کا مالک رہ گیا اور لڑکی جسے بھائی کے مقابلے آدھا حصہ ملا تھا، وہ اسی بھائی کے مقابلے میں دوگنی رقم کی مالک ہو گئی۔ پھر لڑکے پر بیوی بچے کے نفقہ اور دیگر ضروریات کے اخراجات کا بوجھ پڑ گیا جس سے اس کے مال میں کمی کا ہی امکان ہے، جب کہ لڑکی کی وہ رقم مکمل طور پر محفوظ ہے کیوں کہ اس کی کفالت کی ذمے داری اس کا شوہر ادا کر رہا ہے اور اگر وہ اپنے مال کو پیداوار کے ذرائع میں لگائے تو اس میں اضافے کا ہی امکان ہے۔ اس کے علاوہ خدانخواستہ اگر اس کے شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بچی ہوئی جائداد میں بھی وہ حسب اصول وراثت کی حق دار ہوگی اور اس کی کفالت کی ذمے داری اس کی بالغ اولاد پر ہوگی ورنہ اسی بھائی پر ہوگی جس کے مقابلے میں اسے نصف ترکہ دیا گیا تھا۔ الغرض لڑکی کی آمدنی کا کل حصہ اکثر محفوظ رہتا ہے اور مناسب حکمت عملی اختیار کرنے پر بڑھتا رہتا ہے جب کہ لڑکے کے مال میں ذمے داریوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والے اخراجات کے سبب کمی ہی آتی ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ مرد کو ہر حال میں عورت کا دوگنا حصہ ملے گا، معاملہ ایسا

بھی نہیں ہے۔صرف چار صورتیں ہی ایسی ہیں جن میں عورت کو مرد کی وراثت کے مقابلے میں نصف ملتا ہے؛ بیٹی کو بیٹے کے ساتھ، حقیقی یا علاتی بہن کو اپنے حقیقی یا علاتی بھائی کے ساتھ، والدہ کو والد کے ساتھ جب کہ متوفی نے کوئی اولاد یا شوہر یا بیوی کو نہ چھوڑا ہو، اور بیوی کو خاوند کے مقابلے میں جب زوجین میں سے ایک فوت ہو جائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے، تو اس صورت میں بیوی کے ترکہ میں سے جو شوہر کو ملے گا اس کے مقابلے میں شوہر کے ترکہ میں بیوی کا حصہ نصف ہوگا۔ اس آخری صورت کی وضاحت سورۃ النساء کی آیت نمبر۱۲ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی اگر لاولد ہو تو اس کی وفات پر شوہر کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا لیکن شوہر اگر لاولد ہو تو اس کے مرنے پر بیوی کو اس کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اسی طرح صاحب اولاد بیوی کے ترکہ میں شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا جب کہ صاحب اولاد شوہر کے ترکہ میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

ان کے علاوہ کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت اپنے ہم پلہ مرد کے برابر حصہ پاتی ہے۔ ان میں سے دو صورتوں کا بیان تو قرآن کریم کی آیات میراث میں ہی موجود ہے جن پر ناقدین غور نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے اولاد کے ساتھ والدین کو بھی چھوڑ جائے تو اس کی وراثت میں ماں اور باپ دونوں کا حصہ برابر ہے یعنی چھٹا حصہ، جس کا تذکرہ سورۃ النساء کی ۱۱/ویں آیت میں ہے جسے احقر ماں باپ کے حق وراثت کے سلسلے میں صفحہ نمبر۸۲/ پر نقل کر چکا ہے۔ اگر متوفی کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو اس صورت میں بھی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور ماں اور باپ دونوں کو برابر یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔ اسی طرح اخیافی بھائی اور اخیافی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ برابر ہوتا ہے جیسا کہ کلالہ کی میراث کے سلسلے میں سورۃ النساء کی ۱۲/ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے جسے احقر نے صفحہ نمبر۸۱/ پر نقل کیا ہے۔ اس میں حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کلالہ ہو یعنی اس کے والدین یا اولاد میں سے کوئی بقید حیات نہ ہو اور وہ شخص فوت ہو جائے اور اس کے ایک

اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن ہو، تو ان میں سے ہر ایک کو اس کے ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ دو یا دو سے زائد ہوں تو وہ سب میت کے ایک تہائی ترکہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں عورتوں کا حصہ اسی درجے کے مردوں کے مقابلے میں بڑھ جاتا ہے کیوں کہ بیٹی کا حصہ ذوی الفروض (۸۳) میں ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ نصف یا تہائی بھی ہو جاتا ہے جب کہ بیٹے کا حصہ اصحاب الفروض میں نہیں ہونے کی وجہ سے نصف یا تہائی متعین نہیں ہے، البتہ عصبہ (۸۴) میں ہونے کی وجہ سے حصوں کی تقسیم کے بعد بچا ہوا مال اسے مل جاتا ہے لیکن یہ حصہ بعض اوقات عورت کے اس حصے سے کم ہو جاتا ہے جو اسے اصحاب فروض میں ہونے کی حیثیت سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک عورت نے ترکہ میں ۶۰/لاکھ روپے چھوڑے اور وارثین میں شوہر، باپ، ماں اور دو بیٹیوں کو چھوڑا، تو تقسیم وراثت کے اصول کے مطابق شوہر ۱۲/لاکھ، ماں باپ میں سے ہر ایک ۸/لاکھ، اور ہر بیٹی ۱۶/لاکھ روپے کی حق دار ہوگی لیکن اسی معاملے میں دو بیٹیوں کی جگہ اگر دو بیٹے ہوں تو شوہر ۱۵/لاکھ، ماں باپ میں سے ہر ایک ۱۰/لاکھ، اور بیٹوں میں سے ہر ایک

---

(۸۳) ذوی الفروض یا اصحاب الفروض وہ وارث ہوتے ہیں جن کا کچھ حصہ میت کی جائیداد میں قرآن کریم یا حدیث شریف یا اجماع صحابہ کے ذریعے متعین کر دیا گیا ہو۔ اصحاب الفروض کل تیرہ ہیں: (۱) شوہر (۲) باپ (۳) دادا (۴) اخیافی بھائی (۵) بیوی (۶) بیٹی (۷) پوتی (۸) ماں (۹) نانی (۱۰) دادی (۱۱) عینی بہن (۱۲) علاتی بہن (۱۳) اخیافی بہن۔

(۸۴) عصبہ وہ وارث ہوتے ہیں جن کا حصہ میت کی جائیداد میں قرآن کریم یا حدیث شریف یا اجماع صحابہ کے ذریعے متعین نہیں گیا ہے، اگر وہ اکیلا وارث ہو تو ساری جائیداد کا مالک ہوگا اور اگر اس کے ساتھ کوئی وارث اصحاب الفروض میں سے ہو، تو صاحب فرض کو حصہ دینے کے بعد جو ترکہ بچے گا وہ عصبہ کے حصے میں آئے گا، اور اگر نہیں بچے گا تو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

ساڑھے بارہ لاکھ روپے کا ہی حق دار ہوگا۔

اسی طرح بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں عورت تو وارث بنتی ہے لیکن اسی کے درجے کا مرد وارث نہیں بن پاتا۔ مثال کے طور پر ایک عورت نے اپنے وارثین میں شوہر، باپ، ماں، ایک بیٹی اور ایک پوتی کو چھوڑا تو پوتی اس کے ترکہ میں چھٹے حصے کی مستحق ہوگی لیکن اسی معاملے میں پوتی کے بجائے اگر پوتا ہوتو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا کیوں کہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ کو حصہ تب ملتا ہے جب اصحاب فرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد کچھ بچ جائے جو کہ اس معاملے میں بچتا ہی نہیں۔ اسی طرح ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، حقیقی بہن اور علاتی بہن کو چھوڑا تو علاتی بہن اس کے ترکہ میں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی لیکن اسی معاملے میں علاتی بہن کی جگہ اگر علاتی بھائی ہوتو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

الغرض متعدد صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت کا حصہ اسی درجے کے مرد کے مقابلے میں برابر یا زیادہ ہوتا ہے یا عورت حصے دار ہوتی ہے اور مرد محروم ہوجاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے جو ایک مصری نژاد عالم ہیں اور جامعہ اسلامیہ امریکہ میں استاذ ہیں، اپنی کتاب ''میراث المرأة و قضية المساواة'' (اردو ترجمہ ''عورت کا حق میراث شریعت اسلامی میں'' از مولانا نورالحق رحمانی، استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ) میں کم از کم بیس صورتیں ایسی رقم کی ہیں جن میں عورت اپنے مدمقابل مرد کے برابر اور دس صورتوں میں اس سے زیادہ حصہ پاتی ہے اور کم از کم پانچ صورتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں وہ حصے دار قرار پاتی ہے لیکن اس کے مدمقابل مرد محروم ہوجاتا ہے جب کہ چار ہی متعینہ صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے جنھیں احقر نے سطور بالا میں نقل کردیا ہے۔ ان مختلف صورتوں اور ان کے لحاظ سے وراثت کے احکام میں تبدیلی کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ عورت سترہ حالتوں میں اصحاب الفروض کی حیثیت سے میراث کی حق دار ہوتی ہے جب کہ مرد صرف چھ حالتوں میں اصحاب

الفروض کی حیثیت سے میراث پاتے ہیں۔ یہ تحدید وتعین ہی عورت کے حق میں مفید ہے جس کی وجہ سے وہ بعض صورتوں میں مرد سے زیادہ میراث پا جاتی ہے کیوں کہ اصول کے مطابق اصحاب فرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہی عصبہ کو ملتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ عورت کو ہر حال میں مرد کے مقابلے میں کم حصہ دیا جاتا ہے، ایک شدید غلط فہمی ہے۔ جن صورتوں میں مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ دیا گیا ہے، ان میں مرد کی متوقع ذمے داریوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح اسلام کے وراثتی نظام کا اگر معروضی تجزیہ کریں تو آپ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلامی معاشرے میں لڑکی کا حصہ وراثت اس کی ذمے داریوں کے تناسب میں ہمیشہ بہتر و محفوظ ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت کا قانون وراثت عین حکمت پر مبنی ہے۔

یہاں ایک اور نکتے کی وضاحت کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ گو اسلام میں عورتوں پر کسی کی کفالت کی ذمے داری نہیں ڈالی گئی ہے لیکن جس طرح انھیں وراثت اور جائیداد کی ملکیت کا حق حاصل ہے، ٹھیک اسی طرح انھیں شرعی حدود وقیود کی پابندی کے ساتھ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے اور ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر نکلنے کا بھی حق حاصل ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دو صاحب زادیوں کا بکریوں کے ساتھ باہر نکلنا اور ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ القصص کی آیت نمبر ۲۳ میں موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض صحابیات کھیتوں اور نخلستانوں میں جا کر زراعتی کاموں میں حصہ لیا کرتی تھیں جیسے ام مبشر انصاریہؓ (۸۵)، بعض بکریاں چراتی تھیں، جیسے کعبؓ بن مالک کی باندی (۸۶)، بعض تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں،

---

(۸۵) صحیح مسلمؒ، کتاب المساقاة و المزارعة، باب فضل الغرس والزرع، حدیث نمبر ۳۹۶۹، نیز صحیح البخاریؒ، حدیث نمبر ۹۳۸ (۸۶) صحیح البخاریؒ، كِتَابُ الذَّبَائِحِ وَالصَّيْدِ وَالتَّسْمِيَةِ عَلَى الصَّيْدِ، بابُ ذَبِيحَةِ الْمَرْأَةِ وَالْأَمَةِ، حدیث نمبر ۵۵۰۵

جیسے حولاء عطارہؓ اور ملیکہؓ ام سائب بن اقرع ثقفیؒ (۸۷)، بعض نے صنعت و دست کاری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا، جیسے عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ رائطہؓ (۸۸) اور بعض طبابت کے پیشے سے وابستہ تھیں، جیسے رفیدہؓ (۸۹)، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کے کاروبار سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپؐ سے اس سلسلے میں مثبت اشارے ملتے ہیں۔ آپؐ کا ارشاد منقول ہے: ''خَيْرُ لَهْوِ الْمُؤْمِنِ السِّبَاحَةُ، وَ خَيْرُ لَهْوِ الْمَرْأَةِ المِغْزَلُ''۔(۹۰) یعنی مومن مرد کے لیے فارغ وقت کا بہترین مشغلہ تیراکی ہے اور عورت کے لیے بہترین مشغلہ چرخہ کاتنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے: ''نِعْمَ لَهْوُ الْمَرْأَةِ مِغْزَلُهَا'' ۔(۹۱) یعنی چرخے سے عورتوں کی محبت بہت اچھی ہے۔ یہ ایک طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو ترغیب ہے کہ وہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیں اور اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنائیں۔ اس لیے اکثر فقہاء نے جن میں فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی شامل ہیں، یہی موقف اختیار کیا ہے کہ عورتوں کا کسب معاش کرنا اور اس کے لیے شرعی حدود و قیود کے ساتھ گھر سے باہر نکلنا اپنی اصل کے اعتبار سے ناجائز نہیں ہے۔ وہ شرعی ضابطوں کی پابندی اور اسلامی اقدار و کردار کی مکمل پاس داری کے ساتھ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے

(۸۷) المعجم الأوسط للطبرانيؒ، حدیث نمبر ۵۳۷۷؛ اسد الغابة في معرفة الصحابة للإمام إبن الأثيرؒ، دار ابن حزم، بيروت. لبنان، الطبعة الأولى ۲۰۱۲م، صفحہ ۱۵۰۱، ۱۵۸۴

(۸۸) مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، حدیث نمبر ۱۶۰۸۵، ۱۶۰۸۶؛ الإِحسان في تقريب صحيح ابن حبانؒ، كتاب الرضاع، حدیث نمبر ۴۲۴۷

(۸۹) سلسلة الأحاديث الصّحيحة للألبانيؒ، حدیث نمبر ۱۱۵۸

(۹۰) الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير ﷺ للسيوطيؒ، حدیث نمبر ۴۰۷۶، بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ

(۹۱) الفردوس بمأثور الخطاب للحافظ شيرويه بن شهردار بن شيرويه الديلميؒ، حدیث نمبر ۶۷۸۶، بروایت حضرت انس بن مالکؓ

سکتی ہیں۔(۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حق جو بیٹیوں کو دیا جس کا اُس زمانے میں تصور نہیں تھا، وہ ہے اپنی شادی کے سلسلے میں فیصلہ لینے کا اختیار۔ آپؐ کی بعثت سے پہلے لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی شادی کے معاملے میں فیصلہ لینے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ ان کے اولیاء (Guardians) جہاں چاہتے اور جس کے ساتھ چاہتے ان کی مرضی معلوم کیے بغیر بیاہ دیتے اور انھیں ان کے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار تو دور اپنی پسندیدگی و ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کی بھی اجازت یا جرأت نہیں تھی۔ ایسے ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ اختیار دیا اور نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ان کی رضامندی اور اجازت کو لازم قرار دیا۔ گو آپؐ نے لڑکیوں کے نکاح کی ذمے داری ان کے اولیاء پر ہی ڈالی لیکن انھیں اس بات کا پابند کیا کہ وہ ان کی رضامندی اور اجازت کے بغیر کسی سے ان کا نکاح نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا: ''لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ''۔(۹۳) یعنی ''بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے اور نہ ہی باکرہ (دوشیزہ) کا نکاح ہو جب تک کہ اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔''

یتیم لڑکیاں جن کی سماجی پوزیشن اور بھی کمزور ہوتی ہے، ان کے سلسلے میں آپؐ کا ارشاد ہے: ''الْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا، وَ إِنْ أَبَتْ فَلَا

(۹۲) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، خواتین کی ملازمت شریعت اسلامی کی روشنی میں، در کتاب 'خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات'، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، صفحہ ۱۲۳، نوٹ: یہ کتاب اسلامی فقہ اکیڈمی کے اٹھارویں فقہی سمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے جس میں دیگر فقہاء کی آرا دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۹۳) صحيح مسلمؒ، كتاب النكاح، باب اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ، وَ الْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ، حدیث نمبر ۳۴۷۳، بروایت حضرت ابو ہریرہؓ

جَـوَازَ عَـلَيْهَا"۔ (۹۴) یعنی "یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے سلسلے میں اجازت حاصل کی جائے پھر اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو یہی (خاموشی) اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر (جبر کا) کوئی جواز نہیں۔"

اتنا ہی نہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو یہ حق دیا کہ اگر ان کے اولیاء نے ان کا نکاح ان کی رضامندی حاصل کیے بغیر کسی سے کردیا ہے، تو وہ اس نکاح کو رد کرسکتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کردیا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا کہ وہ چاہے تو نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو اس کو توڑ دے۔ (۹۵) اسی طرح حضرت خنساء بنت خذام انصاریہؓ کی روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کیے بغیر) کردیا جب کہ وہ بیوہ تھیں، اور انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا۔ چنانچہ وہ اپنا معاملہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ کے سامنے اس کا ذکر کیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس نکاح کو رد کردیا۔ (۹۶)

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو مہر کا بھی حق دیا ہے جو ان کی اہمیت اور عظمت کی علامت ہے۔ ساتھ ہی نکاح سے متعلق اخراجات کے بوجھ سے ان کے

---

(۹۴) سنن الترمذيؒ، كتاب النكاح، بابُ مَاجَآءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيج ، حدیث نمبر ۱۱۰۹، بروایت حضرت ابوہریرہؓ

(۹۵) سُنَن أبي داوُدؒ، كتاب النكاح، باب فِي الْبِكْرِ يُزَوِّجُهَا أَبُوهَا وَلَا يَسْتَأْمِرُهَا ، حدیث نمبر ۲۰۹۶

(۹۶) سنن أبي داوُدؒ، كتاب النكاح، باب فِي الثَّيِّبِ ،حدیث نمبر ۲۱۰۱، نیز دیکھیں صحیح البخاريؒ، كتاب النكاح،باب إِذَا زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَنِكَاحُهُ مَرْدُودٌ، حدیث نمبر ۵۱۳۸

اولیاء کو آزاد رکھا ہے اور تمام تر ذمے داری ان کے ہونے والے شوہروں اور ان کے سرپرستوں پر ڈالی ہے۔ لیکن افسوس! صد افسوس کہ آج ہم اسی مقام پر پہنچ گئے جہاں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی اصلاح شروع کی تھی۔ ہم نے لڑکی والوں پر منگنی، تلک، جہیز اور بارات کے نام پر اتنے غیر شرعی بار ڈال دیے کہ آج لڑکیاں سماج میں بوجھ تصور کی جارہی ہیں اور ان کی پیدائش کی خبر دوسرے تو کیا بعض مسلم گھرانوں میں اسی قسم کی کیفیات پیدا کررہی ہیں جو ایام جاہلیت میں عرب معاشرے میں پیدا کرتی تھیں۔ البتہ ہم چوں کہ تعلیم یافتہ، مہذب اور عقلمند ہوگئے، اس لیے پیدا ہونے کے بعد زندہ دفن کرنے کی نوبت نہیں آنے دیتے بلکہ حمل کے دوران الٹراساؤنڈ (Ultrasound) کے ذریعہ جنس کا پتہ لگا کر اس کی فطری پیدائش سے قبل ہی اس سے چھٹکارا حاصل کرلیتے ہیں! یادرکھیں کہ یہ جنین کشی (Foeticide) ایام جاہلیت کی لڑکیوں کو زندہ دفن کردینے کی رسم کے ہی مترادف ہے اور اس جرم کے لیے اللہ کے سامنے اسی کی مثل جواب دہ ہونا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

عورت بحیثیت باندی/مملوکہ وخادمہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور بعد میں بھی عرب میں غلام و باندی رکھنے کا عام دستور تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزادی کے لیے کئی قسم کی حکمت عملی (Strategy) اپنائی۔ اولاً تو آپؐ نے لوگوں کو اپنے غلام اور باندیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور اس کے ذریعے ان کی آزادی کی راہ کو آسان بنایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ، حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ''۔(۹۷) یعنی ''جس نے کسی مسلمان بردہ (غلام یا باندی) کو غلامی سے آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس بردہ کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کردے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس بردہ کی شرمگاہ کے بدلے آزاد کردے گا۔'' اس حدیث میں گرچہ مسلمان بردہ کا لفظ آیا ہے لیکن دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی بردہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے اور شرمگاہ کو بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ اس کا گناہ بڑا ہی سخت ہے، لہٰذا جب جسم کے اس حصہ کو نجات مل جائے گی تو دوسرے حصہ کو بدرجہ اولیٰ نجات حاصل ہوگی۔

دوئم یہ کہ غلام و باندی کو آزاد کرنے کی فضیلت کو آپؐ نے اپنے غلاموں اور باندیوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ دوسروں کے غلام یا باندی کو آزاد کرانے میں ان کی مالی امداد کرکے اجر و ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں بالخصوص ایسے غلاموں اور باندیوں کی رہائی میں جن کے مالک کا برتاؤ ان کے ساتھ اچھا نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ''أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰى مَمْلُوكٍ عِنْدَ مالكٍ

(۹۷) صحیح مسلمؒ، کتابُ الْعِتْقِ، باب فَضْلِ الْعِتْقِ، حدیث نمبر ۳۷۹۷

سوءٍ''۔(۹۸) یعنی ''افضل ترین صدقہ وہ ہے جو برے مالک کے غلام پر کیا جائے۔''

یہاں قرآن کریم کے اس فرمان کو نقل کردینا بھی مناسب ہے جس میں عام مومنین کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تمھارے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں تو ان سے معاہدہ کرلیا کرو۔ ارشادخداوندی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَآتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ اٰتٰكُمْ ط﴾۔(۹۹) (ترجمہ): ''اور تمھاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے وہ لوگ جو مکاتبت کرنا چاہیں، اگر تم ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کرلیا کرو، اور اللہ نے تمھیں جو مال دے رکھا ہے، اس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کرو۔'' مکاتبت متعینہ مال کے عوض آزادی کی تحریر لکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اُس دور میں جب غلاموں اور باندیوں کے رکھنے کا عام رواج تھا، وہ لوگ اپنے آقاؤں سے یہ معاہدہ کرلیتے تھے کہ ایک متعین کی ہوئی رقم کما کر وہ اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہوجائیں گے۔ اس آیت میں ایسے آقاؤں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب ان کے غلام یا باندیاں ان سے اس طرح کا معاہدہ کرنا چاہیں، تو انھیں اسے قبول کرلینا چاہیے۔ ساتھ ہی عام مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ ایسے مکاتَب غلاموں اور باندیوں کی مالی امداد کریں تاکہ وہ غلامی سے آزادی حاصل کرسکیں۔ اس ہدایت سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ کسی انسان کو غلامی سے آزادی دلانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے نزدیک ایک محبوب عمل ہے۔

سوئم یہ کہ غلام یا باندی کی آزادی میں معاونت کو آپؐ نے مالی امداد تک ہی محدود نہیں کیا بلکہ ان کے مالک کے پاس آزادی کی سفارش کرنے پر بھی اجر و ثواب کی بشارت دی اور اسے بہترین صدقہ قرار دیا۔ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ''۔(۱۰۰) یعنی ''بہترین صدقہ وہ

(۹۸) الفردوس بمأثور الخِطَاب للحافظ الدَّيْلميؒ، حدیث نمبر ۱۴۲۰، بروایت حضرت ابوہریرہؓ

(۹۹) القرآن الكريم، سورة النور: ۳۳

(۱۰۰) مشكاة المصابيح للإمام الحافظ محمد بن عبدالله الخطيب التبريزيؒ، کتاب العتق، حدیث نمبر ۳۳۸۷، بحوالہ شُعَبِ الْاِيْمَانِ لِلْبَيْهَقِيؒ، رقم الحديث ۷۶۸۳

سفارش ہے جس کے نتیجہ میں کسی (بردہ) کی گردن کو نجات حاصل ہو جائے۔"

چہارم یہ کہ آپؐ نے کئی قسم کے اعمال کا کفارہ بہ اذن الٰہی غلام یا باندی کو آزاد کرنا متعین کیا۔ مثلاً رمضان کے روزہ کی حالت میں بیوی سے قصداً ہم بستر ہونے پر روزہ کی قضا کے علاوہ کفارہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ اس حکم سے متعلق روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے یوں ہے کہ ایک دن ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور بولا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو ہلاک ہو گیا! آپؐ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے یہ عرض کیا کہ میں نے بحالت روزہ اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تجھے کوئی غلام میسر ہے کہ تو اسے آزاد کر دے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم مسلسل دو ماہ روزہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا رہا اور ہم لوگ بھی اسی طرح بیٹھے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں سے بھرا ہوا ایک بڑا ٹوکرا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ لے لو اور اسے صدقہ کر دو۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! صدقہ تو میں اس پر کروں جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، اللہ کی قسم! مدینہ کے دو طرفہ پتھریلے کناروں کے درمیان کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر آپؐ نے فرمایا: اسے اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دو۔ (۱۰۱)

اس حدیث کی بنا پر جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ کفارہ دینے میں یہی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی جو یہاں مذکور ہے یعنی اولاً غلام یا باندی کا آزاد کرنا یا کرانا واجب ہے، اگر اس

(۱۰۱) صحیح البخاریؒ، کتاب الصوم، باب إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ، وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ، فَتَصُدِّقَ عَلَيْهِ فَلْيُكَفِّرْ، حدیث نمبر ۱۹۳۶؛ نیز دیکھیں حدیث نمبر ۱۹۳۷

سے عاجز ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا دے، اُس اوسط معیار سے جو خود اُس کے گھر میں مستعمل ہے۔ بعض فقہاء نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ عدم استطاعت اور تنگ دستی کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن جمہور فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں یعنی ان کے نزدیک تنگ دستی کے سبب کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔

اسی طرح قتل خطا یعنی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دینے کا کفارہ دیت (Compensation) کے علاوہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا یا پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَئًا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾۔ (۱۰۲) (ترجمہ): "کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے، اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور دیت مقتول کے وارثوں کو پہنچائے، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمھاری دشمن ہے مگر وہ خود مسلمان ہے تو صرف ایک غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، اور اگر مقتول ایسی قوم سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے، تو بھی یہ فرض ہے کہ دیت اس کے وارثوں تک پہنچائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرے، پھر جو شخص غلام نہ پائے تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے، توبہ کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔"

(۱۰۲) القرآن الکریم، سورۃ النسآء: ۹۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس حکم سے متعلق متعدد روایات ہیں۔ مثلاً حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فِي صَاحِبٍ لَنَا أَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ، فَقَالَ: أَعْتِقُوا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ''۔ (۱۰۳) یعنی ہم اپنے ایک ساتھی کے سلسلے میں (بغرض استفتاء) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے جس نے قتل کا ارتکاب کرکے اپنے اوپر جہنم کو واجب کرلیا تھا، تو آپؐ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ عزوجل اس (غلام) کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرما دے گا۔'' حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں اور ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو اس کے حمل کا بچہ گر پڑا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام یا باندی (بطور تاوان) دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (۱۰۴) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو جب کہ وہ حاملہ تھی، خیمہ کی لکڑی سے مارا اور اسے قتل کردیا، ان میں سے ایک بنولحیان قبیلے سے تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ہونے والی کی دیت قتل کرنے والی کے عصبہ پر ڈالی اور پیٹ کے بچے کا تاوان ایک غلام مقرر کیا۔ (۱۰۵)

اسی طرح قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو تین دنوں کے روزے رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

(۱۰۳) سُنَن أبي داوُدؒ، کتاب العتق، باب فِي ثَوَابِ الْعِتْقِ، حدیث نمبر۳۹۶۴؛ نیز مسند أحمد، حدیث نمبر۱۶۰۱۲ (۱۰۴) صحیح مسلمؒ، کتاب القَسَامَةِ وَ الْمُحَارِبِيْنَ وَالْقِصَاصِ وَ الدِّيَاتِ، باب دِيَةِ الْجَنِيْنِ وَ وُجُوْبُ الدِّيَةِ فِي قَتْلِ الْخَطَإِ وَ شِبْهِ الْعَمْدِ عَلٰى عَاقِلَةِ الْجَانِي، حدیث نمبر۴۳۸۹؛ نیز دیکھیں حدیث نمبر۴۳۹۰، ۴۳۹۱

(۱۰۵) صحیح مسلمؒ، کتاب القَسَامَةِ وَ الْمُحَارِبِيْنَ وَالْقِصَاصِ وَ الدِّيَاتِ، باب دِيَةِ الْجَنِيْنِ وَ وُجُوْبُ الدِّيَةِ فِي قَتْلِ الْخَطَإِ وَ شِبْهِ الْعَمَدِ عَلٰى عَاقِلَةِ الْجَانِي، حدیث نمبر ۴۳۹۳؛ نیز دیکھیں حدیث نمبر۴۳۹۴

ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا أَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔ (۱۰۶) (ترجمہ): ''اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھارا مؤاخذہ نہیں کرے گا، لیکن وہ تمھارا مؤاخذہ کرے گا اُن قسموں پر جو تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں، چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو۔ پھر جو شخص (ان چیزوں میں سے) کچھ بھی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمھارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

اور ظہار یعنی بیوی کو ماں کے برابر قرار دینے کا کفارہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ط ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَنْ يَتَمَآسَّا ط فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ط ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾۔ (۱۰۷) (ترجمہ): ''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس سے رجوع کرتے ہیں، تو ان کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ

(۱۰۶) القرآن الکریم، سورة المائدة: ۸۹ (۱۰۷) القرآن الکریم، سورة المجادلة: ۳-۴

لگائیں۔ یہ ہے وہ بات جس کی نصیحت تمھیں کی جارہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو، اس کے ذمے مسلسل دو ماہ کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو شخص اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ اس لیے تاکہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اور منکروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

ان آیات کا سببِ نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے درمیان بیوی سے جدائی اختیار کرنے کی ایک صورت یہ رائج تھی کہ وہ اپنی بیوی سے یہ کہتے تھے: ''أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي'' یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ ان کلمات کو وہ لوگ ابدی اور دائمی حرمت کے لیے بولتے تھے اور اسے طلاق مغلظہ سے بھی سخت سمجھتے تھے۔ اسی عمل کو ظہار کہا جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی پیش آیا۔ حضرت خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر حضرت اوس بن صامتؓ نے ان ہی الفاظ کے ساتھ ظہار کرلیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں اس مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت تک اس مسئلے کے متعلق کوئی حکم منجانب اللہ نہیں آیا تھا۔ آپؐ نے اپنی رائے سے یہ فرمادیا کہ تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئی۔ وہ واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی تو ان کی خدمت میں گزر گئی اور اب بڑھاپے میں انہوں نے یہ معاملہ کیا ہے تو میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گزر بسر کیسے ہوگا؟ نیز یہ بھی کہا کہ ان کے شوہر نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا تھا تو پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی اور اپنے رحم وکرم سے اس کو طلاق میں شمار نہیں کیا جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا بلکہ اس مشکل سے نکلنے کے لیے امت کے لیے کفارہ مقرر کردیا اور

سورۂ مجادلہ کی ابتدائی چار آیات نازل ہوئیں۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''وہ (یعنی اوس بن صامتؓ) ایک غلام آزاد کریں، وہ بولیں کہ ان کے پاس غلام نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر وہ دو ماہ مسلسل روزے رکھیں۔ وہ کہنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! وہ بوڑھے کھوسٹ ہیں، انھیں روزے کی طاقت نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ وہ کہنے لگیں کہ ان کے پاس صدقہ کرنے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں سے بھرا ایک ٹوکرا آیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! (آپ یہ دے دیجیے) تو ایک اور ٹوکرے سے میں ان کی مدد کردوں گی۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے ٹھیک ہی کہا ہے، اسے لے جاؤ اور ان کی جانب سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو اور اپنے چچازاد بھائی (یعنی شوہر) کی طرف لوٹ جاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ ٹوکرا ساٹھ صاع کا تھا۔ (۱۰۸)

روزہ، قسم، قتل خطا، اور ظہار سے متعلق کفارے کے مذکورہ احکام پر غور کریں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلام میں ایک حکمت عملی کے تحت غلاموں اور باندیوں کے لیے آزادی کی راہ ہموار کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ اذن الٰہی انھیں نافذ کرکے اسے یقینی بنایا ہے۔

پنجم یہ کہ باندی کی تعلیم وتربیت کے بعد اس کو آزاد کرکے اس کے ساتھ نکاح کرنے اور سماج میں عزت وبرابری کا مقام عطا کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عمل پر دوہرے اجر کی بشارت سنائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا أَدَّبَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَ عَلَّمَهَا

(۱۰۸) سنن أبي داوُدؒ، کتاب الطلاق، باب في الظِّهَارِ، حدیث نمبر ۲۲۱۴، بروایت حضرت خویلہ بنت مالکؓ

فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ"۔(۱۰۹) یعنی "جب کوئی شخص اپنی باندی کو اچھی طرح ادب سکھلائے اور اسے اچھے طریقے سے تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کر لے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔" اس طرح آپؐ نے نہ صرف باندیوں کے تعلیم وتربیت پانے کے حق کو یقینی بنایا بلکہ بحیثیت انسان ان کی عظمت اور سماجی وقار کو بھی بحال کیا۔

مذکورہ بالا ترغیبات کے بعد بھی جن لوگوں نے اپنی ضرورت کے تحت باندی یا غلام کو باقی رکھا، انھیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقوق سکھائے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ"۔(۱۱۰) یعنی "تمھارے خادم (لونڈی وغلام) بھی تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمھارے ماتحت کردیا ہے، لہٰذا جس شخص کا کوئی بھائی اس کے ماتحت ہو (تو اسے چاہیے کہ) اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسے وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر ایسا کوئی کام اس سے لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے۔"

مملوک کے نفقہ کے سلسلے میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ہے۔ حضرت خثیمہؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عمروؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا کارندہ آیا۔

(۱۰۹) صحيح البخاريؒ، كتابُ أَحَادِيثُ الْأَنْبِيَاءَ، باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِانْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا، حدیث نمبر ۳۴۴۶

(۱۱۰) صحيح البخاريؒ، كتابُ الْعِتْق، باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ "الْعَبِيْدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ"، حدیث نمبر ۲۵۴۵

جب وہ اندر داخل ہوا تو انہوں نے (یعنی عبداللہ بن عمروؓ نے) پوچھا کہ (کیا) تم نے غلاموں کو ان کا روزینہ (سامان خوراک) دے دیا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ انہوں نے کہا: جاؤ اور انھیں دے دو (اور) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَّحْبِسَ، عَمَّنْ يَّمْلِكُ قُوتَهُ"۔(۱۱۱) یعنی "انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ جن کی خوراک کا مالک ہے ان کی خوراک روک لے۔"

اس کے ساتھ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام و باندی کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی اور بدسلوکی سے منع فرمایا۔ حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "حُسْنُ الْمَلَكَةِ يُمْنٌ (نَمَاءٌ)، وَسُوءُ الْخُلُقِ شُؤْمٌ"۔(۱۱۲) یعنی "اپنے مملوک (باندی وغلام) کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک خیر و برکت (کا باعث) ہے اور بدسلوکی نحوست (بے برکتی کا باعث) ہے۔" دوسری روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّءُ الْمَلَكَةِ"۔(۱۱۳) "اپنے مملوک کے ساتھ برائی و بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

دور جاہلیت میں غلاموں اور باندیوں کے ساتھ کی جارہی برائیوں اور بدسلوکیوں میں سے بدترین برائی یہ تھی کہ لوگ اپنی باندیوں سے عصمت فروشی کا دھندہ کراتے تھے اور اس کے ذریعے پیسے کماتے تھے۔ اس کے لیے وہ انھیں جسمانی اذیتیں بھی دیتے تھے۔ اسلام نے اس گھناؤنی رسم کا خاتمہ کیا اور اسے گناہ قرار دیا۔ اللہ رب العزت کا فرمان آیا:
﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

(۱۱۱) صحيح مسلمؒ، كتاب الزكوٰة، بابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ وَ إِثْمِ مَنْ ضَيَّعَهُمْ أَوْحَبَسَ نَفَقَتَهُمْ عَنْهُمْ، حدیث نمبر ۲۳۱۲

(۱۱۲) سنن أبي داوُدؒ، كتاب الأَدَب، فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ، حدیث نمبر ۵۱۶۲، ۵۱۶۳

(۱۱۳) سنن الترمذيؒ، كتاب البرّ و الصّلة، باب مَا جَاءَ فِي الإِحْسَانِ إِلَى الْخَادَمِ، حدیث نمبر ۱۹۴۶

الدُّنْيَا ط وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾۔(۱۱۴)

(ترجمہ):''اور اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا ساز وسامان حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔اور جو کوئی انھیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کیے جانے کے بعد بہت بخشنے والا ،اور (ان پر) بے حد رحم کرنے والا ہے۔''
اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس باندی کو اس کی مرضی کے خلاف بدکاری پر مجبور کیا گیا ہو، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل پر کسی مواخذے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور دنیا میں بھی اسے بدکاری کی شرعی سزا نہیں دی جائے گی، البتہ بدکاری کی سزا اس شخص کو ملے گی جس نے اس سے بدکاری کی۔ نیز اس کے مالک کو بھی اسلامی حکومت تعزیری سزا دے گی جس نے اسے بدکاری پر مجبور کیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی وغلام کی خطاؤں کو معاف کرنے اور انھیں سزا نہ دینے کی بھی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم کتنی مرتبہ اپنے خادم (باندی وغلام) کی خطائیں معاف کریں؟ آپؐ (یہ سن کر) خاموش رہے۔ اس شخص نے پھر اپنی بات دہرائی تو آپؐ پھر خاموش رہے۔ پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:''أَعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً''۔(۱۱۵) یعنی''ہر دن ستر بار اسے معاف کرو۔'' سوچنے کا مقام ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی اور غلام کو روزانہ ستر مرتبہ معاف کرنے کو کہا۔ آپؐ کے اس فرمان سے سماج کے دبے کچلے اور محکوم طبقے کے تئیں آپؐ کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہاں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے جب مملوک کے لیے اس درجہ تک معافی اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، تو آزاد خادم اور خادمہ کس

(۱۱۴) القرآن الكريم، سورة النور: ۳۳

(۱۱۵) سنن أبي داوُد، كتاب الأَدَب، فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ، حدیث نمبر ۵۱۶۴

درجہ رعایت کے مستحق ہوں گے۔

جو لوگ اپنے غلام اور باندی کو ناحق سزا دیتے ہیں، انھیں آپؐ نے کفارہ کے طور پر اس غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:''مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ، حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ، أَوْ لَطَمَهُ، فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ''۔(۱۱۶) یعنی''جس نے اپنے غلام (باندی) کو نا کردہ جرم میں کوئی حد لگائی (یعنی بے گناہ مارا پیٹا) یا اس کو طمانچہ مارا، تو اس (عمل) کا کفارہ یہ ہے کہ اس (غلام یا لونڈی) کو آزاد کردے۔''

غلام و باندی کے حقوق کے سلسلے میں آپؐ کی فکرمندی کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت جو آخری کلام آپؐ کی زبان مبارک پر تھا وہ نماز کی حفاظت اور غلام و باندی کے حقوق کی حفاظت سے ہی متعلق تھا۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں:''كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ، اتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ''۔(۱۱۷) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بات (انتقال کے وقت) یہ تھی کہ نماز کا خیال رکھنا، نماز کا خیال رکھنا اور جو تمھاری ملکیت میں (غلام اور باندی) ہیں ان کے معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ گویا کہ آپؐ کی آخری وصیت امت کو نماز اور باندی وغلام کے حقوق کی حفاظت کے سلسلے میں ہی رہی۔

☆☆☆☆☆

(۱۱۶) صحيح مسلمؒ، كتاب الأَيْمَانِ، بابُ صُحْبَةِ الْمَمَالِيكِ وَ كَفَّارَةِ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ، حدیث نمبر ۴۲۹۹

(۱۱۷) سنن أبي داوُدؒ، كتابُ الأَدَبِ، فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ، حدیث نمبر ۵۱۵۶

اختتامی کلمات

یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عورتوں کی مختلف حیثیت اور ان کے حقوق کے بارے میں۔ ان کے علاوہ عورتوں کو نماز باجماعت، مسجد کے اجتماعات عام، عیدین، حج وعمرہ اور جہاد میں شرکت کی مشروط اجازت، سماجی سرگرمیوں اور تقاریب میں حصہ لینے کی اجازت، سفر میں ان کی راحت کا خاص خیال رکھنے کا حکم اور جہاد میں انھیں قتل نہ کرنے کا حکم حدیث کی کتابوں میں منقول ہے۔ یہاں مزید طوالت کے خوف سے نقل کرنے سے قاصر ہوں۔ شارع اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ خیالات اور قرآنی تعلیمات کو جاننے کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ اسلام میں عورتوں کو عزت وقعت اور معاشرتی حقوق حاصل نہیں ہیں، تو اس کا یہ کہنا ناسمجھی اور ناانصافی پر محمول کیا جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو بحیثیت انسان وہ سارے حقوق واختیار دیے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ مسلم سماج میں عورتوں پر ہونے والے مظالم اور استحصال کے انفرادی واقعات کو اسلام کے سر نہیں منڈھا جاسکتا کیوں کہ یہ واقعات دراصل شریعت سے لاعلمی یا بے دینی کے نتائج ہیں، اور جس معاشرے میں ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں درحقیقت وہ اسلامی نہیں رہے بلکہ دین سے بیگانگی اور غیروں سے اختلاط نے ان کی اسلامی خصوصیات کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے ایسے واقعات کو کم کرنے اور مسلم معاشرے کو بدنامی سے بچانے کے لیے مسلم سماج میں دین سے وابستگی اور علم دین کے حصول کی تحریک چلانے کی ضرورت ہے جس سے معاشرے کی اصلاح ہوسکے اور ظاہر ہے کہ یہ ذمے داری ہمارے ذی شعور اور حساس افراد کو ہی نبھانی پڑے گی۔ مغربی تہذیب اور حقوق نسواں کے نام نہاد ٹھیکے داروں کے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہوکر اسلام یا اسلامی شریعت پر الزام عائد کرنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام عائد کرنے کے مترادف ہے جس سے کم از کم ایک مسلمان کو پرہیز لازم ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اگر ہم عورتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا معروضی اور منصفانہ جائزہ لیں تو یہ نتیجہ اخذ کیے بغیر نہیں رہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اقوام عالم کی اب تک کی تاریخ میں حقوق نسواں (Women's Rights) کے سب سے بڑے حامی وعلم بردار تھے۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ

ملت کی بیٹیوں کے نام

ایک پیغام!

اپنے ایمان اور عفت کی حفاظت کیجیے!

ملت کی عزیز بیٹیو! ایک غیور مسلمان، ایک غیرت مند باپ، ایک دردمند استاذ، ایک مبلغ دین اور خیر خواہ کی حیثیت سے آج تم سے کچھ باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ شاید تمھیں احساس ہو یا نہ ہو کہ ایک طرف جہاں تم اپنے والدین کے جگر کا ٹکڑا، دل کا نور اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظیم نعمت ہو، وہیں دوسری طرف تم اسلامی معاشرے کی تعمیر وتہذیب کا ایک بنیادی ستون بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت ووقار اور پاکیزگی کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمھیں ایمان کی نسبت عطا کی ہے۔ لہٰذا تمھاری ذمے داری ہے کہ اپنے ایمان، عفت و کردار، اور دین کی حفاظت کرو اور ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں لاؤ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے عین مطابق ہو۔ آج کے دور میں جہاں بہت سے فتنوں اور چیلنجوں کا سامنا ہے، ایک باپ کے لیے سب سے بڑا خوف اپنی بیٹیوں کے ایمان، عفت اور عزت کے تحفظ کا ہے۔ ایک نیا فتنہ ''بھگوا لو ٹریپ'' (Bhagwa Love Trap) اور اس کے نتیجے میں ہونے والی بین مذاہب شادی (Inter-Religious Marriage) کا ابھر کر سامنے آیا ہے، جس میں دشمنان اسلام مختلف طریقوں سے مسلم بیٹیوں کو محبت کے نام پر ورغلا کر دین سے دور کرنے اور مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندو شدت پسند تنظیمیں وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، شری رام سینا، ہندو جاگرن منچ وغیرہ ایسی مہم چلانے کا علی الاعلان اعتراف کرتی رہی ہیں اور ایسے ہندو نوجوانوں کو جو مسلم لڑکیوں کو ''بھگوا لوٹریپ'' میں پھنسا کر ہندو خاندانوں کا حصہ بنانے میں شریک ہوں، انعامات دینے کی بات کرتی رہی ہیں۔ اس کھلے چیلنج کے باوجود ہماری بیٹیوں کے ان کے جال میں پھنسنے اور بعد ازاں استحصال (Exploitation) اور ظلم وزیادتی کی

خبریں اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے سامنے آ رہی ہیں جو انتہائی افسوس ناک اور پریشان کن ہیں۔ مذکورہ شدت پسند تنظیمیں وقتاً فوقتاً اپنے مہم کی کامیابی کے ثبوت میں اعداد و شمار بھی جاری کرتی رہتی ہیں۔ گو آزاد اور معتبر ذرائع سے ان اعداد وشمار کی تصدیق نہیں ہو پاتی لیکن بہت سے واقعات جو منظر عام پر آئے ہیں، ان کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری بیٹیوں کے مرتد ہونے اور غیر مسلموں سے شادی کرنے کی خبریں محض پروپیگنڈہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس نے حساس والدین کی نیند اڑا کر رکھ دی ہے۔

پیاری بیٹیو! تمھیں اس فتنے سے واقف اور خبردار ہونا چاہیے کیوں کہ تمھارا سابقہ اسکولوں، کالجوں، اور پیشہ ورانہ کام کی جگہوں پر ایسے افراد سے ہوسکتا ہے جو تمھاری تعریفیں کر کے، رٹے رٹائے ڈائیلاگ اور عشقیہ اشعار سنا کر تمھیں اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کریں گے، پھر تمھیں دینی و اخلاقی بنیادوں سے ہٹا کر ایک ایسے راستے پر ڈال دیں گے جہاں تمھارا ایمان، تمھاری حیا، عفت و عصمت اور شناخت سب کچھ مٹ جائے گا اور تمہارے استحصال کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ان سب کے نتیجے میں تمھارے والدین بلکہ پورے خاندان کو سماج میں جس رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس کا تصور کر کے ہی دل کانپ جاتا ہے۔ پھر معاملہ یہیں تک نہیں رکے گا بلکہ تمھاری قوم کو بھی اس رسوائی اور ذلت کے طعنے سننے پڑیں گے۔ پھر تمھاری عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کر کے جب تمھیں سڑکوں پر چھوڑ دیں گے تو تمھیں انصاف دلانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا کیوں کہ تم نہ صرف اپنے والدین اور خاندان بلکہ قوم و ملت کی ہمدردیاں بھی اپنے کردار کی وجہ سے پہلے ہی کھو چکی ہوگی۔

اس لیے اے ہماری پیاری بیٹیو! اپنی قدر و قیمت کو سمجھو۔ اللہ رب العزت نے جو سب سے قیمتی دولت تمھیں بخشی ہے، وہ ایمان کی دولت ہے۔ ایمان ہی وہ دولت ہے جس سے دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں وابستہ ہیں۔ ایمان اور عمل صالح ہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ

نے دنیا میں حقیقی عزت، عافیت، دل کا چین وسکون، لوگوں کے دلوں میں محبوبیت، اور اپنی مدد و نصرت دینے اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت میں جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے جو کہ حتمی کامیابی ہے۔ دنیا کی ساری کامیابیاں وقتی ہیں اور یہ دنیا خود ایک سراب کی مانند ہے، اس کی چکاچوندھ میں پڑ کر اپنی آخرت کی زندگی سے غافل ہونا عقلمندی نہیں۔ یہ یقین رکھو کہ اسلام ہی حق ہے، یہی دین فطرت ہے، اس کے مقابل جتنے بھی ادیان اور فلسفہ حیات ہیں، سب کے سب لوگوں کے خود ساختہ، باطل اور خدا کے نزدیک مردود ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام جن کے سلسلے کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، نے انسانیت سے جھوٹ نہیں بولا، ان کی ایک مستند تاریخ ہے، اللہ کی کتابیں اور آثار ان پر شاہد ہیں۔ انھوں نے دنیا اور آخرت کے سلسلے میں جو بھی خبریں ہم تک پہنچائیں، وہ صد فی صد درست ہیں۔ اس لیے اپنے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دو، کفر اور شرک کا انجام حتمی ناکامی اور جہنم ہی ہے جو سامنے آ کر رہے گا۔

شرک یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا یا اس کے جیسی صفات کا حامل سمجھنا قرآن کریم کی نگاہ میں بڑا بھاری ظلم ہے جس کی معافی نہیں۔ قرآن کریم نے یہ اعلان کر دیا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾۔(۱) (ترجمہ): ’’بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، ہاں اس کے علاوہ گناہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا، اور جس نے بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں بہت ہی دور نکل گیا۔‘‘ آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ شرک پرلے درجے کی گمراہی ہے اور اس کے ساتھ جو دنیا سے چلا گیا اس کی کوئی معافی نہیں، اس کی ہلاکت بالکل طے شدہ ہے، ہاں جس نے شرک میں ملوث ہونے کے بعد موت سے پہلے پہلے سچی توبہ

(۱) القرآن الکریم، سورة النساء:۱۱۶

کر لی، وحدانیت پر ایمان لے آیا اور اسلام کو پوری طرح اپنا لیا تو اس کے مغفرت کی قوی امید ہے۔ اس لیے اے اسلام کی صاحبزادیوں! کبھی شرک کے دلدل میں نہ پھنسنا۔ مشرک پلید، اللہ کا باغی اور نافرمان ہوتا ہے، اس سے دوستی، محبت اور شادی ایمان کا نور رکھنے والیوں کو زیب نہیں دیتا۔ اس لیے اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾۔(۲) (ترجمہ): ''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، یقیناً ایک مومن لونڈی مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمھیں کیسی ہی بھلی کیوں نہ لگے اور (اسی طرح) مومن عورتوں کو مشرک مردوں کی زوجیت میں نہ دینا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، یقیناً ایک مومن غلام مشرک (مرد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمھیں کیسا ہی بھلا کیوں نہ لگے، یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے احکام لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اہل ایمان اور اہل شرک کے درمیان ہونے والی بین المذاہب شادی درست نہیں، یہ سراسر ناجائز اور حرام ہے۔ دنیا کے حکام گو ایسی شادیوں کو قبول کر لیں اور اس کی سند بھی جاری کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قابل قبول نہیں۔ اگر کوئی مسلمان ایسی شادی کے بعد اپنے ایمان پر رہ بھی جائے تب بھی اپنے شریک حیات کے مشرک ہونے کی وجہ سے عمر بھر زنا کا مرتکب ہوتا رہے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾۔(۳) (ترجمہ):

(۲) القرآن الكريم، سورة البقرة:۲۲۱ (۳) القرآن الكريم، سورة الإسراء:۳۲

''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بہت ہی بری راہ ہے۔'' یہ آیت ہمیں نہ صرف اس گناہ سے بلکہ اس کے اسباب سے بھی دور رہنے کی تعلیم دیتی ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے فیصلے لیں۔ شادی تو بہر حال ایک مقدس رشتہ ہے جسے دین، ایمان اور کردار کی بنیاد پر ہی استوار کیا جانا چاہیے۔

ایمان کے بعد تمھارا سب سے قیمتی زیور حیا اور عفت ہی ہے جن کی حفاظت لازمی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ الْحَيَاءَ، وَالْعَفَافَ، وَالْعِيَّ، عِيَّ اللِّسَانِ لَاعِيَّ الْقَلْبِ، وَالْفِقْهَ مِنَ الْإِيْمَانِ''۔(۴) ''بے شک حیا، عفت و پاکدامنی، بے بسی، زبان کی بے بسی نہ کہ دل کی بے بسی اور فقہ (دین کی سمجھ بوجھ) ایمان سے تعلق رکھتی ہیں۔'' آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ''۔(۵) ''دنیا ایک وقتی فائدے کی چیز ہے، اور دنیا کی سب سے بہتر چیز نیک عورت ہے۔'' پیاری بیٹیو! تم مومنہ ہو، نیک ہو، پاکیزہ ہو، اسلام کی نمائندہ ہو، ایمان کا نور تمہارے دلوں میں روشن ہے، اس لیے تمھارا کردار و عمل، تمھارا حجاب، تمھاری زبان، تمھارا فیصلہ سب کچھ اسلام کی عزت کا عکس ہونا چاہیے۔ کیا چند لمحوں کی فریب زدہ محبت جس کے پیچھے استحصال کا لامتناہی سلسلہ ہو، رسوائی ہو، آخرت کی ابدی ناکامی ہو، اس قابل ہے کہ تمھیں اس دین سے جدا کر دے جس نے تمھیں عزت، وقار اور عظمت عطا کی ہے۔ اس لیے تھوڑا سمجھ بوجھ سے کام لو اور اپنے فیصلے جذبات میں نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر کرو۔ تمھاری عزت، تمھارا وقار، تمھاری حفاظت اور تمھارا سکون اسی نظام معاشرت میں ہے جسے تم نے خدا نخواستہ فرسودہ (Outdated) سمجھ لیا ہے، تمہارے والدین تمہارے دشمن نہیں ہو سکتے، وہ جو فیصلے

(۴) سلسلة الأحاديث الصّحيحة للألبانيؒ، حدیث نمبر ۳۳۸۱

(۵) صحيح مسلمؒ، كتاب الطلاق، بابٌ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، حدیث نمبر ۳۶۴۹

تمہارے لیے لیں گے بہتر ہی لیں گے اور اب تو والدین بچوں کی رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ لیتے بھی نہیں۔ والدین کے ذریعے کیے گئے نکاح میں سماجی شناخت، سماجی تحفظ اور سماجی وقار سبھی پہلو شامل ہوتا ہے جو کہ کسی بھی متبادل نظام میں میسر نہیں ہوسکتا۔

اور یہ بھی جان لو کہ جسے تم محبت اور پیار سمجھتی ہو وہ دراصل پیار نہیں ہوتا بلکہ صنف مخالف کی طرف ایک فطری کشش ہوتی ہے اور یہ موقع ملنے پر کسی کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے۔ اگر بدصورت سے بدصورت لڑکی کے ساتھ کسی خوبصورت اسمارٹ لڑکے کو یا اس کے برعکس خوبصورت سے خوبصورت لڑکی کو کسی بدصورت مرد کے ساتھ کچھ دنوں آزادانہ طور سے رہنے کا موقع مل جائے، تو دونوں کو پیار ہوتا محسوس ہوگا بلکہ ہو جائے گا۔ ایسا کہنے سے میری غرض یہ سمجھانا ہے کہ جنس مخالف کی یہ کشش ایک فطری عمل ہے لیکن اس سے مغلوب نہیں ہو جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غیر محرم مرد وزن کے باہم اختلاط کو ممنوع قرار دیا ہے تا کہ فتنے کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔ پرسکون اور پر لطف زندگی گزارنے کے لیے صحیح ہم سفر کا ہونا ضروری ہے جو ذمے داریوں کو بھی نبھائے، تحفظ کی گارنٹی بھی لے اور آخرت کی تیاریوں میں بھی معاون بنے جو کہ آپسی مفاہمت کی شادی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی میں عزت ہے، اسی میں بھروسا اور یقین ہے، اسی میں دل کا سکون ہے، اسی میں سماجی تحفظ ہے اور اسی میں دین وآخرت بھی محفوظ ہے۔

اس لیے پیاری بیٹیو! اس پیار و محبت کے چکر میں پڑ کر اپنی تعلیم، اپنے کیریر، اپنے دین اور ایمان کا سودا نہ کرو۔ والدین کی تم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، ان کی امیدوں پر پانی مت پھیرو۔ ایک وقت تھا کہ جب لڑکیوں کو ایک خاص عمر کے بعد اسکولوں یا کالجوں میں بھیجنا معیوب سمجھا جاتا تھا، ملازمت تو کیا گھر سے باہر نکلنے تک کی اجازت نہیں تھی، لیکن زمانہ بدلا، حالات بدلے اور تمھیں یہ سب حقوق ملے اور تمہارے والدین نے تم پر اعتماد کر کے تمھیں اسکول، کالج یا کام کے دیگر جگہوں پر بھیجا، ایسے میں ان کے بھروسے کو

پامال نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنی بیٹیوں کے ایمان، عفت اور عزت کی پامالی کے خوف سے انھیں اسکول اور کالج بھیجنا پھر سے بند کردیں جس کا سبب تم بن جاؤ۔ ویسے بھی تعلیم کا مقصد خودسری، اور اپنی تہذیب وثقافت سے بغاوت نہیں ہوتا بلکہ بہت سے ماہرین تعلیم تو تعلیم کا مقصد ہی اپنی تہذیب وثقافت کا تحفظ، اس کا فروغ اور نئی نسل کو اس کی منتقلی بتاتے ہیں۔ ایسے میں تمھاری یہ ذمے داری بنتی ہے کہ اسلامی تہذیب وثقافت کا پرچم بلند کرو اور اپنے اخلاق وکردار سے اس پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دو۔

ان سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن اور اسلام سے تمھارا رشتہ مضبوط رہے۔ نمازوں کی پابندی، قرآن کریم کی بامعنی تلاوت، اسلامی لٹریچر کا مطالعہ اور صالحین وصالحات کی صحبت ہی تمھیں صراط مستقیم پر گامزن رکھ سکتی ہے۔ فحش اور عشقیہ لٹریچر سے اجتناب کرو۔ دوستی صرف نیک سیرت لڑکیوں سے رکھو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "الرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ"۔ (٦) "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے؟" اس لیے بدطینت لڑکیوں سے دوری بنا کر رکھنے میں ہی بھلائی ہے، بہت سی مسلم بچیاں ایسی سہیلیوں کے ذریعے ہی غیر مسلموں کے جال میں پھنس جاتی ہیں۔ غیر محرموں بالخصوص غیر مسلم لڑکوں سے غیر ضروری میل جول یا نجی گفتگو سے گریز کرو۔ پارٹی کلچر اور دیگر غیر اسلامی سرگرمیوں سے بھی خود کو الگ رکھو، ان احتیاطی تدابیر سے بے حیائی کے کئی دروازے از خود بند ہو جائیں گے۔ ان سب کے بعد بھی اگر کوئی تم سے غیر مناسب تعلق کی بات کرے، جذباتی دباؤ ڈالے یا دھوکے سے قریب ہونے کی کوشش کرے، تو فوراً اپنے والدین یا سرپرست سے رابطہ کرو۔ اپنے حدود کو بالکل واضح اور اپنی خودداری اور عزت کو ہمیشہ مقدم رکھو۔ ہر قسم کے لالچ سے دل کو پاک رکھو، کسی کے تحفہ تحائف قبول کرنے سے باز رہو کیوں کہ آج کل کوئی بھی شخص کسی کو

(٦) سنن أبي داوُدؒ، كتاب الأدب، باب مَنْ يُؤْمَرُ أَنْ يُجَالَسَ، حديث نمبر ٤٨٣٣

کوئی چیز بغیر کسی غرض کے نہیں دیتا، ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر تمھیں ان تحفوں کی بھاری قیمت چکانی پڑے۔

ایک اور بات یہ کہ جہاں بھی رہو دین کی مبلغہ بن کر رہو، لوگوں کو خیر کی طرف بلاؤ اور منکرات سے روکو، یہ خیر پر جمے رہنے کی بہترین حکمت عملی ہے، جو داعی بن کر رہتا ہے وہ کبھی مدعو نہیں ہوتا، دوسرے اس میں طمع کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی سہیلیوں میں جس کو بھی بے راہ روی کرتے دیکھو اسے پیار سے سمجھاؤ، اس کی صحیح رہنمائی کرو، اس سے تمھاری عزت میں چار چاند لگ جائیں گے، پھر تمھیں ورغلانے کی کبھی کوئی کوشش بھی نہیں کرے گی۔ اور آخری بات یہ کہ مذکورہ ساری تدبیریں تب ہی بارآور ہوسکتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت شامل حال ہو۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اس سے علم، ہدایت، استقامت اور نصرت طلب کرو، وہی اصل محافظ ہے، اگر تمھاری طلب صادق ہوگی تو وہ تمھاری مدد ضرور کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ باتیں تم کو بری نہیں لگیں گی، اگر کسی وجہ سے بری بھی لگیں تو ایک خیر خواہ سمجھ کر معاف کر دینا۔ اللہ تمھیں اپنے حفظ وامان میں رکھے اور دونوں جہان کی کامیابیوں سے سرفراز کرے۔ آمین! یا رب العالمین! وما علینا الا البلاغ!

☆ ☆ ☆ ☆☆

مصادر ومراجع

قرآن کریم وکتب ترجمہ وتفسیر

١. آسان اردو ترجمہ قرآن مجید از حافظ نذر احمدؒ، مسلم اکادمی، لاہور، ١٩٨٧ء

٢. آسان تفسیر قرآن مجید از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی، ٢٠١٥ء

٣. **القرآن الكريم، مجمّع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة المنوّرة بإشراف وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف و الدعوة و الإرشاد، المملكة العربية السعودية، ١۴٣٠ هجري**

۴. **القرآن الكريم فائق البيان فی معانی كلمات القرآن** اردو ترجمہ از شاہ رفیع الدین دہلویؒ ومولانا فتح محمد خاں جالندھریؒ، پاک کمپنی، لاہور، ٢٠٠٩ء

۵. انوار البیان فی حل لغات القرآن از چوہدری علی محمد، مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور، دوسرا ایڈیشن، ٢٠٠۵

٦. **تفسير القرآن العظيم للحافظ إسماعيل بن عمر بن كثيرؒ القرشي الدِّمَشقي (المتوفی ٧٧۴ هجري)، دار ابن حزم للطّباعة والنشر والتوزيع، بيروت – لبنان، الطبعة الأولى ٢٠٠٠م**

٧. توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ٢٠١١ء

٨. **روح البيان في تفسير القرآن للإمام الشّيخ إسماعيل حقّي بن مصطفیٰ**

الحَنَفي الخَلْوتي البروسوي (المتوفى ١١٢٧ هجري)، تحقيق عبداللطيف حسن عبدالرحمٰن، دار الكتب العلمية – بيروت، الطبعة الرابعة ٢٠١٨م

٩. معارف القرآن ازمولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۰۸ء

١٠. معانی القرآن الکریم از حافظ صلاح الدین یوسف ومولانا محمد عبدالجبار، دارالسلام، لاہور، ۲۰۱۳ء

١١. مفردات القرآن (اردو) ازامام راغب اصفہانی ترجمہ وحواشی ازشیخ الحدیث مولانا محمد عبدہٗ فیروزپوری، ناشر شیخ شمس الحق، لاہور، ۱۳۹۰ھ

کتب حدیث وشروحات

١٢. الإحسان في تقريب صحيح ابن حبّانؒ للإمام الحافظ أبي حاتم محمد بن حِبّان بن أحمد بن حِبّان الخراساني (المتوفي ٣٥٤ هجري)، بترتيب الإمام الأمير علاء الدين أبو الحسن علي ابن بلبانؒ بن عبدالله الفارسي (المتوفي ٧٣٩ هجري)، تحقيق الشيخ خليل بن مأمون شيحا، دارالمعرفة للطّباعة والنّشر والتّوزيع، بيروت. لبنان، الطبعة الأولى ٢٠٠٤م

١٣. البَحْرُ الزَّخّار المعروف بِمُسنَدِ البزّار للحافظ الإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العتيكى البزّار (المتوفى ٢٩٢ هجري)، تحقيق محفوظ الرحمن زين الله و عادل بن سعد و صبري بن عبد الخالق الشافعي، مؤسسة علوم القرآن، بيروت و مكتبة علوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٩٨٨ – ٢٠٠٩م

١٤. الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير ﷺ للإمام جلال الدين بن أبي بكر السيوطيؒ (المتوفي ٩١١ هجري)، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة السادسة، ٢٠١٢م

١٥. الجَامِعُ لِشُعَبِ الإِيْمَانِ للإمام الحافظ أبي بكر أحمد بن الحُسين بن علي البَيْهَقِيؒ (المتوفى ٤٥٨ هجري)، تحقيق الدكتور عبدالعلي عبدالحميد حامد و مختار أحمد الندوي، مكتبة الرّشد للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى ٢٠٠٣م

١٦. الروض الداني الىٰ المعجم الصّغير للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ (المتوفى ٣٦٠ هجري)، تحقيق محمد شكور محمود الحاج أمرير، المكتبُ الإسلامي، بيروت و دار عمّار، عمّان، الطبعة الأولى ١٩٨٥م

١٧. السُّنَنُ الكُبرىٰ للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقيؒ (المتوفى ٤٥٨ هجري)، تحقيق محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة الثالثة، ٢٠٠٣م

١٨. الفردوس بمأثور الخِطَاب للحافظ أبي شجاع شِيْرَوَيْه بن شَهْرَدَار بن شِيْرَوَيْه بن فَنَّاخُسْرو الدَّيْلمي الهَمَذَانيؒ (المتوفى ٥٠٩ هجري)، دارالكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة الأولى ١٩٨٦م

١٩. المعجم الأوسط للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ (المتوفى ٣٦٠ هجري)، تحقيق أبو معاذ طارق بن عوض الله بن محمد و أبوالفضل عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، دار الحرمين للطباعة والنشر والتوزيع، القاهرة، ١٩٩٥م

٢٠. المعجم الكبير للحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ (المتوفى ٣٦٠ هجري)، تحقيق حمدي عبدالمجيد السلفي، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطّبعة الثانية ١٩٨٣م

٢١. المُوَطَّأ لإمامِ دارِ الهِجْرَةِ مالكٌ بن أنسٌ (المتوفى ١٧٩ هجري) برواية يحيىٰ بن يحيىٰ اللَّيثي (المتوفى ٢٣٤ هجري)، تحقيق كلال حسن علي، مؤسسة الرسالة ناشرون، بيروت، الطبعة الأولى ٢٠١٣م
٢٢. سلسلة الأحاديث الصّحيحة للإمام محمد ناصر الدين الألباني، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية ١٤١٣هجرى
٢٣. سنن ابن ماجة للإمام أبي عبدالله محمد بن يزيد بن ماجه القزويني (المتوفى ٢٧٣ هجري)، تحقيق رائد بن صبري إبنُ أبي علفة، دارالحضارة للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية ٢٠١٥م
٢٤. سنن أبي داوُد للإمام الحافظ أبي داوُد سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير الأزدي السّجستاني (المتوفى ٢٧٥ هجري)، تحقيق رائد بن صبري إبنُ أبي علفة، دار الحضارة للنشر والتوزيع، الرياض، الطّبعة الثانية ٢٠١٥م
٢٥. سنن الترمذي للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سَورَة بن موسىٰ ابن الضَّحَاک السُّلَمي التِرمِذِي (المتوفى ٢٧٩ هجري)، تحقيق العلّامَة المحدث محمد ناصر الدين الألباني، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٧ هجري
٢٦. سنن الترمذي للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سَورَة بن موسىٰ ابن الضَّحَاک السُّلَمي التِرمِذِي (المتوفى ٢٧٩ هجري)، تحقيق رائد بن صبري إبنُ أبي علفة، دار الحضارة للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية ٢٠١٥م
٢٧. سنن النّسائي للإمام أبي عبدالرحمٰن أحمد بن شعيب بن علي بن سنان بن بحر بن دينار الخراساني النّسائي (المتوفى ٣٠٣ هجري)، تحقيق رائد بن صبري إبنُ أبي علفة، دار الحضارة للنّشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية ٢٠١٥م

٢٨. صحيح البخاري للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي البخاري (المتوفى ٢٥٦ هجري)، مكتبة الرشد. ناشرون، الرياض، الطبعة الثانية ٢٠٠٦م
٢٩. صحيح مسلم للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجّاج بن مسلم القشيريالنّيسابوري (المتوفى ٢٦١ هجري)، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية ٢٠٠٠م
٣٠. مسند الإمام أحمد بن حنبل (المتوفى ٢٤١ هجري)، مكتبة دارالسلام للنّشر والتّوزيع، الرياض، الطبعة الأولى ٢٠١٣م
٣١. مسند الدّارمي المعروف به سنن الدّارمي للإمام الحافظ أبو محمد عبدالله بن عبدالرحمن بن بهرام الدارمي (المتوفى ٢٥٥ هجري)، دار ابن حزم للطّباعة والنّشر والتّوزيع، بيروت. لبنان، الطّبعة الأولى ٢٠٠٢م
٣٢. مشكاة المصابيح للإمام الحافظ محمد بن عبدالله الخطيب التبريزي (المتوفى ٧٣٧ هجري)، تحقيق الإمام المحدث محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي للطباعة والنشر، بيروت، الطبعَة الثانيّة ١٩٧٩م

دیگر کتب

٣٣. اسد الغابة في معرفة الصحابة للإمام عزالدين أبي الحسن علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير (المتوفى ٦٣٠ هجري)، دار ابن

حزم، بیروت. لبنان، الطبعة الأولی ۲۰۱۲م

۳۴. الرحیق المختوم اردو از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ (متوفی ۲۰۰۶ء)، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۲۰۰۰ء

۳۵. تعدد ازدواج از سید حامد علی (متوفی ۱۹۹۳ء)، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی، اشاعت اول ۱۹۶۴ء

۳۶. تعدد ازدواج حقائق کے آئینہ میں از مولانا نور الحق رحمانی، مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، نئی دہلی، اشاعت اول ۲۰۱۰ء

۳۷. تعدد ازواج از مولانا وحید الدین خان (متوفی ۲۰۲۱ء)، گڈ ورڈ بکس، نوئیڈا، چنئی، حیدرآباد، اشاعت اول ۱۹۸۶ء، طباعت جدید ۲۰۱۵ء

۳۸. تعدد ازواج، کب اور کس لئے از محمد عنایت اللہ اسد سبحانی (متوفی ۲۰۲۱ء)، شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء

۳۹. تعدد الزوجات في الإسلام و حكمة التعدد فی أزواج النبي ﷺ دحض شبهات و رد مفتريات تأليف عبدالتواب هيكل، دار القلم، دمشق، بيروت و مكتبة الحرمين، الرياض، الطبعة الأولى ۱۹۸۲م

۴۰. تعدد الزوجات في الإسلام وحكمة تعدد زوجات النبى ﷺ تأليف فضيلة الشيخ د.عبدالله ناصح علوان، دار السلام للنشر والتوزيع والترجمة، الرياض، الطبعة التاسعة ۲۰۰۱م

۴۱. حجّة الله البالغة للإمام الكبير الشّيخ أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدّهلويؒ (المتوفى ۱۱۷۶ هجري)، دار احياء العلوم، بيروت . لبنان، الطبعة الأولىٰ ۱۹۹۰م

۴۲. خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات (اسلامی فقہ اکیڈمی کے اٹھارویں فقہی سمینار

میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ) از مولا خالد سیف اللہ رحمانی ودیگر (مرتبین)، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

۴۳. سیرت النبیؐ ابن ہشام از محمد عبدالملک بن ہشامؒ (متوفی ۲۰۰۰ ہجری) (اردو ترجمہ: مولوی قطب الدین احمد صاحب محمودی)، اسلامی کتب خانہ، لاہور

۴۴. طبقات بن سعد (اردو) از علامہ محمد بن سعد البصریؒ (متوفی ۲۳۰ ہجری) اردو ترجمہ از علامہ عبداللہ عمادیؒ، نفیس اکیڈمی، کراچی

۴۵. عورت اسلامی شریعت میں از مولانا نور الحق رحمانی، دارالاشاعت امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، طبع اول ۲۰۱۰ء

۴۶. عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام از پروفیسر ڈاکٹر حافظ سید ضیاء الدین، النور ہیلتھ و ایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی وراحت ایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی، سنہ اشاعت ۲۰۰۶ء

۴۷. عورت کا حق میراث شریعت اسلامی میں تالیف ڈاکٹر صلاح الدین سلطان (اردو ترجمہ "میراث المرأة و قضية المساواة" از مولانا نور الحق رحمانی، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، نئی دہلی، اشاعت اول ۲۰۰۵ء

۴۸. ميراث المرأة و قضية المساواة تأليف دكتور صلاح الدين سلطان، دارنهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة الأولى ۱۹۹۹م

۴۹. ہندوستانی معاشرہ میں تعدد ازدواج؛ عیسائیت، ہندوازم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ از ڈاکٹر شائستہ پروین، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

50. Abu Ameenah Bilal Philips & Jameelah Jones (2005) Polygamy in Islam, 2nd Edition, International Publishing House, Riyadh

51. Al-Hajj Ahmed H. Sherif (1977) Why Polygamy is

Allowed in Islam?, World Organization for Islamic Services, Tehran- Iran

52. Ankur Sirothia (08th October, 2017) In Madhya Pradesh, marry a widow, get Rs. 2 Lakh, https://timesofindia.indiatimes.com/city/bhopal/in-madhya-pradesh-marry-a-widow-get-rs-2-lakh/articleshow/60989659.cms, Accessed on 12.03.25.

53. Archisha Bansal (14th July, 2021) The reason behind the rising number of old age homes in India, https://eduindex.org/2021/07/14/the-reason-behind-the-rising-number-of-old-age-homes-in-india/, Retrieved on January 10, 2025.

54. Maulana Sayyid Ahmad Urooj Qadri: Polygamy- The Islamic View (Tr. by Dr. Mumtaz Ali Khan), MMI Publishers, New Delhi

55. Press Information Bureau Government of India Ministry of Social Justice & Empowerment (14th Dec., 2021) Old Age Homes, https://pib.gov.in /Pressreleaseshare.aspx?PRID=1781361, Retrieved on January 10, 2025.

56. Sujitha Pandian, S. Naik, U. Ramachandran,

Angeline Grace G., Gopalakrishnan S. Social factors influencing utilization of old age homes by elderly in urban area of South Chennai, Tamil Nadu. Indian Journal of Community Medicine, Vol. 49, Issue 01, January-February, 2024, Pp. 41-45.

57. The Loomba Foundation (2015) World Widows Report -First Edition, Published by Standard: Information London, 2016.

☆☆☆☆☆